پُراسرار بوڑھا
اشتیاق احمد

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : علمی پرنٹنگ پریس ۱۱- ہسپتال روڈ، لاہور
قیمت : چار روپے ۵۰ پیسے

مقام اشاعت
شیخ غلام علی اینڈ سنز ۔ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

ترتیب

پھول سے پیارے بچو،

انسپکٹر جمشید سیریز کا نواں ناول آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس بار آپ ایک
عجیب و غریب کہانی پڑھیں گے۔ ہر ہر صفحے پر آپ چونک جائیں گے۔ آپ
کے دل محمود، فاروق اور فرزانہ کے ساتھ دھڑکیں گے — جی ہاں — اس مرتبہ
انھوں نے ایک ایسی ہی مصیبت مول لی تھی۔ وہ بہت بڑے پھنسے تھے اور
اگر انسپکٹر جمشید ان کی مدد نہ کرتے تو بس —

ہر ماہ ایک ناول لکھنا اتنا مشکل کام نہیں جتنا مشکل یہ ایک صفحہ لکھنا
یہ بات شاید میں پہلے بھی لکھ گیا ہوں گا" اس لیے معاف فرمائیے گا۔ یہ صفحہ لکھتے
وقت نہ جانے کیوں میرا قلم اٹک اٹک کر چلنے لگتا ہے اور مجھے یوں محسوس ہو
لگتا ہے جیسے میں نے کبھی کچھ لکھا ہی نہیں، اب انھی سطور کو لے لیجیے۔ یہاں
تک نہ جانے کتنی دیر میں پہنچا ہوں جب کہ ناول کے دو صفحے لکھنے میں کچھ بھی
دیر نہیں لگتی ، بہر حال آپ کو اس سے کیا — آپ کو تو اس سے غرض ہے
پہلا صفحہ پڑھا اور ناول شروع کر دیا اور ہونا بھی یہی چاہیے۔

اب بات رہ جاتی ہے آئندہ ناول کی — سو جناب سن لیجیے۔ اس
نام "عمارت میں بم ہے" — نام کی طرح ناول بھی دھماکا خیز ہی ہو گا۔

اشتیاق احمد

لفافے کی کہانی

محمود اور فاروق نیشنل پارک میں گھاس پر بیٹھے سکول کا کام کر رہے تھے۔
ان دنوں وہ پھر یہاں باقاعدگی سے آنے لگے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے انھیں
اجازت دے رکھی تھی کہ وہ شام کی چائے سے پہلے ڈیڑھ گھنٹے کے لیے پارک
میں جا سکتے ہیں۔ شام کی چائے سے چند منٹ پہلے وہ واپس لوٹ آتے تھے۔
وہاں انھیں انسپکٹر جمشید، بیگم جمشید اور فرزانہ چائے کی میز پر موجود ملتے۔

"یار فاروق، یہ ایک سوال میرے پلے نہیں پڑ رہا — ذرا تم ہی کوشش
کرو۔" اچانک محمود نے سر اوپر اٹھا کر کہا۔

"میں اس وقت جغرافیہ یاد کر رہا ہوں۔ کل ہمارا جغرافیے کا ٹسٹ ہے۔
تم حساب میں اٹکے ہوئے ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"حساب میں اٹکا ہوا ہوں، کھجور میں تو نہیں — اور جغرافیے کا کیا ہے
پڑھنے کی تو میں نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔" محمود مسکرایا۔

"لیکن یہ جغرافیے صاحب میرے حلق سے نیچے نہیں اترتے۔" فاروق
نے بے بسی سے شانے اچکائے۔

"تم اسے حلق سے نیچے نہ اتارا کرو۔ ذہن میں بٹھانے کی کوشش کیا
کرو۔" محمود برابر مسکرائے جا رہا تھا۔

"نہیں بیٹھتا...... ادھر بیٹھتا ہوں، ادھر کھڑا ہو جاتا ہے۔" فاروق نے
جھنجلا کر کہا۔

"ویسے یار، یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" محمود کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟ وہ کونسا اتفاق ہے جو تمہیں عجیب بھی محسوس ہوتا ہے۔
مجھے تو یہاں سرے سے کوئی اتفاق نظر ہی نہیں آتا۔" فاروق نے شریر انداز
میں کہا۔

"مذاق کا بھوت شاید تم پر ہر وقت سوار رہتا ہے۔" محمود جل گیا۔

"نہیں تو — جب میں سو جاتا ہوں تو وہ بھی سونے کے لیے چلا جاتا ہے۔"
فاروق شوخ لہجے میں بولا۔

"دھت تیرے کی — میں کیا بات کر رہا تھا اور تم بات کو کہاں سے
کہاں لے گئے۔" محمود نے اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"چلو — جہاں تم کہتے ہو، وہیں لے جاتا ہوں۔"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ اتفاق کس قدر عجیب ہے کہ ہم تینوں ایک ایک
مضمون میں کمزور ہیں۔ فرزانہ الجبرے سے گھبراتی ہے۔ تم جغرافیے سے کتراتے
ہو اور میں حساب سے چڑتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"تو تمہارے خیال میں یہ ایک عجیب اتفاق ہے۔" فاروق نے اُسے گھورتے
"کیوں، کیا یہ عجیب نہیں ہے۔" محمود نے بھی اُسے ناخوشگوار انداز میں
گھور کر کہا۔

"نہیں، عجیب تو اس وقت ہوتا جب ہم ایک ہی مضمون......"

فاروق کہتے کہتے رُک گیا۔ محمود اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس
نے دیکھا، وہ ایک سمت میں برابر گھورے جا رہا تھا۔

"کیا بات ہے! کیا کسی بھوت کو آتے دیکھ لیا ہے؟" اس نے کہا۔

"نہیں تو، وہ تو میرے سر پر پہلے ہی موجود رہتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"تو پھر..... تم رُکے کیوں؟"

"بوڑھا۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"بوڑھا، کیا مطلب؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"ہاں، ایک بوڑھا ہماری طرف آ رہا ہے۔" اس نے عجیب سے لہجے میں
کہا۔

"تمہارا تو دماغ خراب ہے — ارے بھائی، وہ پارک میں چہل قدمی کر رہا
ہے۔" محمود نے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بظاہر وہ چہل قدمی ہی کر رہا ہے، لیکن دراصل وہ ٹہلنے کے انداز میں
ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔" فاروق نے بتایا۔

"ہوں، شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہمیں اس کی طرف بار بار نہیں دیکھنا چاہیے — نہ جانے وہ کون ہے
اور کیا چاہتا ہے!"

"ٹھیک ہے۔ آؤ ہم اپنی کتابوں میں کھو جائیں۔" محمود بولا۔

"کھو جانے کی ضرورت نہیں۔ بے چارا بوڑھا ہمیں ڈھونڈتا ہی رہ جائے گا۔"
فاروق مسکرایا۔

"توبہ ہے تم سے ۔۔۔ ہر بات کو پکڑ لیتے ہو۔" محمود جھلا اٹھا۔

"نہیں تو...... میرے ہاتھ میں تو پنسل ہے۔" فاروق بولا۔

"اچھا بس ۔۔۔ اب چپ رہو ۔۔۔ بوڑھا نزدیک پہنچ چکا ہے۔" محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"میں نے کہا تھا، اس کی طرف مت دیکھو۔" فاروق نے بھی قدرے تیز ہو کر کہا۔

"میں اس کی طرف نہیں دیکھ رہا۔" محمود نے کہا۔

"تو پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ قریب آ چکا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"ہمارے دائیں طرف جو موٹر سائیکل کھڑی ہے، اس کے آئینے میں وہ آتا دکھائی دے رہا ہے۔"

"ہوں، یار واقعی ۔۔۔ تم مجھ سے بڑے جاسوس ہو۔" فاروق نے سچے دل سے کہا۔

"میں تو ایسا نہیں سمجھتا ۔۔۔ تم بھی کم نہیں ہو۔"

اسی وقت انہوں نے بوڑھے کے کھنکارنے کی آواز سنی۔ وہ ایک دم اس کی طرف مڑے جیسے اسی وقت اس کے آنے سے باخبر ہوئے ہوں۔

"بچو، تم میرا ایک کام کرو گے؟" بوڑھا ان کے پاس گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیوں نہیں بابا، بتایئے۔" محمود جلدی سے بولا۔

"اگر تم نے میرا کام کر دیا تو میں تمہیں دو سو روپے دوں گا۔" بوڑھے نے کہا۔

"جی ۔۔۔ دو سو روپے۔" فاروق حیرت زدہ رہ گیا۔

"نہیں، دو سو روپے تو کم رہیں گے۔ میں تمہیں پانچ سو روپے دوں گا۔" بوڑھے نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا فرمایا آپ نے ۔۔۔ آپ ہوش میں تو ہیں؟" محمود نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں ہوش میں ہوں ۔۔۔ میں بہت کنجوس ہوں ۔۔۔ میں نے غلط کہا ۔۔۔ پانچ سو روپے بھلا کیا ہوتے ہیں ۔۔۔ میں تمہیں پانچ ہزار روپے دوں گا۔" وہ اٹک اٹک کر بولتا چلا گیا۔

"کیا؟"

دونوں اچھل پڑے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انہوں نے سوچا، یا تو اس بوڑھے کا دماغ چل گیا ہے یا یہ مذاق کر رہا ہے۔ آخر محمود نے کہا۔

"بڑے میاں، ہمارے ماں باپ نے ہمیں بڑوں کا ہمیشہ ادب کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اس لیے اگر آپ ہم سے مذاق کرنے کے موڈ میں ہیں تو بتا دیجیے۔"

"نہیں بیٹا، بھلا میں اس عمر میں تم سے مذاق کروں گا؟" اس نے اپنے چہرے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

دونوں نے دیکھا، بوڑھے کے چہرے پر سفید ڈاڑھی تھی۔ اس کی آنکھوں پر

دھوپ کی عینک تھی جس کی وجہ سے وہ اس کی آنکھیں نہ دیکھ سکے۔ اس کی ناک لمبی
اور موٹی تھی۔ سر پر ٹوپی تھی، لیکن کانوں کے پاس اور سر کے پچھلے حصے کے بال
نظر آ رہے تھے۔ یہ بھی سفید تھے۔ اس کے باوجود بوڑھا بہت صحت مند دکھائی
دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ پیر مضبوط تھے۔

"آخر آپ ہمیں کس کام کے پانچ ہزار روپے دینا چاہتے ہیں؟" فاروق
نے پوچھا۔

"کام کوئی خاص نہیں ہے...... تمہیں اس میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی،
اور میری مصیبت ٹل جائے گی۔"

"خیر، وہ تو بعد کی بات ہے۔ پہلے آپ کام تو بتایئے ــــ کام ہے
کیا؟"

"شہر کی تیسری سڑک کی پہلی گلی میں مکان نمبر ۵۰۲ ہے۔ اس کے تین کمرے
ہیں۔ ان تین کمروں میں سے ایک میں ایک الماری میں نیلے رنگ کا ایک لفافہ
رکھا ہے..... بس تم مجھے وہ لفافہ لادو۔"

محمود اور فاروق کے کان کھڑے ہو گئے۔ بوڑھا تو ان سے ایک غیر
قانونی کام لینا چاہتا تھا۔ کسی کے گھر میں چوری چھپے داخل ہونا اور اس کے گھر
کے ایک کمرے کی الماری میں سے کوئی لفافہ نکال لانا، یہ غیر قانونی کام ہی تو تھا۔
محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"لیکن ہم اس مکان میں داخل کیسے ہوں گے؟"

"مکان میں داخل ہونا کچھ مشکل نہیں ہے۔ پچھلی طرف ایک درخت ہے

اور اس درخت کی شاخیں مکان کی چھت تک آ گئی ہیں۔ ان شاخوں کے ذریعے مکان
کی چھت پر پہنچ کر تم نیچے اتر سکتے ہو۔" بوڑھے نے ترکیب بتائی۔

"ہوں، لیکن ہمیں یہ کیسے معلوم ہو گا کہ وہ لفافہ کون سے کمرے کی الماری
میں ہے؟" فاروق نے سوال کیا۔

"اس کمرے کا دروازہ نیلے رنگ کا ہے جب کہ دوسرے دروازے کالے
رنگ کے ہیں۔" اس نے کہا۔

"اور اگر الماری میں تالا لگا ہوا تو؟"

"بے شک تالا لگا ہوا ہو گا، لیکن میں تمہیں چند چابیاں دوں گا، امید
ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی چابی تالے کو لگ جائے گی۔" بوڑھے نے کہا۔

"یہاں تک تو ٹھیک ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ گھر میں گھر والے بھی
تو موجود ہوں گے ــــ آخر ہم اُن کی نظروں سے کس طرح بچ سکیں گے!"

"آج رات دس بجے گھر میں کوئی نہیں ہو گا ــــ سب لوگ فلم کا آخری
شو دیکھنے جائیں گے ــــ تم مکان کے پچھلی جانب سے آ کر درخت کے ذریعے
اندر داخل ہو جانا ــــ تم نہایت آسانی سے یہ کام کر سکتے ہو۔"

"اگر کام اتنا ہی آسان ہے تو آپ خود کیوں نہیں کر لیتے۔" محمود نے جھجکتے
ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔"

بوڑھا مسکرانے لگا پھر بولا:

"اب میں تمہیں اصل بات بتاتا ہوں۔ اس لفافے کے گم ہونے کا شبہ

سب سے پہلے مجھ پر کیا جائے گا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ گھر والوں کے ساتھ میں بھی فلم دیکھنے چلا جاؤں۔ اس طرح وہ مجھے چور نہیں سمجھیں گے۔"

"بات کچھ پلے نہیں پڑی۔ آخر آپ کا اس لفافے سے کیا تعلق ہے۔ اس لفافے میں ہے کیا ۔۔۔ اس گھر کے لوگوں سے آپ کا کیا تعلق ہے؟" فاروق اوپر سوالات کرتا چلا گیا۔

"ہاں، جب تک آپ ہمیں یہ باتیں نہیں بتائیں گے، ہم اس کام کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔" محمود بھی بولا۔

"ہوں، میرا بھی یہی خیال تھا کہ تم یہ باتیں جانے بغیر اس کام پر تیار نہیں ہو گے۔ خیر، میں تمہیں تفصیل سے ساری بات بتاتا ہوں۔ وہ گھر میرے دوست کا ہے۔"

"کیا کہا ۔۔۔ آپ کے دوست کا ہے ۔۔۔ آپ دوست کی چیز چرانا چاہتے ہیں۔" فاروق حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"پہلے سن لو، پھر حیرت کا اظہار کر لینا۔" بوڑھے نے برا مان کر کہا۔

"اچھی بات ہے، سنائیے۔" محمود نے با اخلاق لہجے میں کہا۔

"میں اور میرا دوست جیب کترے تھے۔ ہم زندگی بھر لوگوں کی جیبیں کاٹتے رہے، لیکن پکڑے کبھی نہیں گئے۔ ایک دن ہم پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوتے ہوتے بچے، اس دن ہم بہت ڈرے، ہم نے فیصلہ کیا کہ آئندہ کبھی چوری نہیں کریں گے۔ ہم نے دو بڑے سے کاغذوں پر اپنی زندگی کے کارنامے لکھے اور نیچے دونوں نے الگ الگ یہ لکھا کہ آئندہ کبھی جیب تراشی کا کام

نہیں کریں گے اور اگر کسی ایک نے یہ کام دوبارہ شروع کیا تو دوسرا اس لفافے کو پولیس کے حوالے کر دے گا۔ ان میں سے ایک کاغذ لفافے میں اس کے گھر کی الماری میں رکھ دیا گیا، دوسرا میں نے رکھ لیا۔ اس واقعے کے دو سال تک ہم شریفانہ زندگی بسر کرتے رہے ۔۔۔ پھر ایک دن وہ مر گیا، اس لیے اب میں چاہتا ہوں کہ اس لفافے کو وہاں سے اس طرح اڑا لیا جائے کہ گھر کے لوگوں کو خبر نہ ہو، ورنہ ہو سکتا ہے، دوست کی اولاد میں سے کوئی مجھ سے دشمنی کر بیٹھے یا وہ پولیس سے انعام حاصل کرنے کے لالچ میں ہی لفافہ پولیس کے حوالے کر دے۔ میرا اس گھر میں اگرچہ آنا جانا ہے لیکن کیا پتا کس وقت ان میں سے کوئی دشمنی پر آمادہ ہو جائے۔"

"تو یہ بات ہے ۔۔۔ کیا خیال ہے فاروق، کیا ہمیں یہ کام کر دینا چاہیے؟"

"ہاں، کچھ حرج نہیں ۔۔۔" فاروق بولا۔

"اچھا بڑے میاں، ہم آج رات تقریباً دس بجے اس لفافے کو اڑا لائیں گے۔ آپ ہمیں وہ چابیاں دے دیں۔" محمود نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ ۔۔۔" بوڑھے نے کہا اور چابیوں کا ایک گچھا اسے دے دیا ۔۔۔ پھر بولا:

"کل میں اسی وقت تمہیں یہاں ملوں گا، تم وہ لفافہ لیتے آنا، میں تمہارے پانچ ہزار لیتا آؤں گا۔"

"بہت خوب، ہمیں منظور ہے۔" فاروق بولا۔

بوڑھے کے ساتھ ہی وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے ۔۔۔

* * *

انسپکٹر جمشید دفتر میں موجود تھے — چپراسی اندر داخل ہوا۔

"جناب، دفترِ خارجہ کا ایک ریکارڈ کیپر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"دفترِ خارجہ کا ریکارڈ کیپر! اسے مجھ سے کیا کام آ پڑا۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی یہ تو میں نے پوچھا نہیں۔"

"خیر، بھیج دو۔"

جلد ہی ایک نوجوان آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں پر نظر کی عینک تھی۔ ناک لمبی اور موٹی تھی۔ چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ سر پر سیاہ گھنگھریالے بال تھے۔

"السلام علیکم۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام، فرمائیے آپ کو مجھ سے کیا کام ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"مجھے بات بتانے میں چند منٹ لگیں گے۔ اگر آپ مصروف ہوں تو میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔"

"مصروفیت تو کبھی ختم نہیں ہوگی — آپ اطمینان سے بیٹھ جائیں اور بتائیں، آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ جناب — میں ڈر رہا تھا کہ کہیں آپ میری بات سننے سے ہی نہ انکار کر دیں۔ میں آپ سے اور آپ کے کارناموں سے اچھی طرح

واقف ہوں اور اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں — دراصل میں ان دنوں ایک عجیب قسم کی پریشانی میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ چند دن پہلے مجھے میرے آفیسر درانی صاحب نے ایک نیلے رنگ کا لفافہ دیا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ اس لفافے کو غیر قانونی طریقے سے ملک سے باہر بھیجا جا رہا تھا۔ اس لفافے کو لے جانے والے کو پکڑ لیا گیا۔ اس کے قبضے سے وہ لفافہ برآمد ہوا جو اس کے کوٹ کے اندر سلا ہوا تھا، لیکن اس سے کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا — جب اس پر سختی کی گئی تو اس نے صرف اتنا کیا کہ ایک گولی جیب سے نکال کر منہ میں رکھ لی اور فوراً ہی مر گیا۔ وہ گولی بہت ہی تیز قسم کا زہر تھا۔ اس لفافے کو کھولا گیا لیکن لفافے کے اندر جو کچھ لکھا ہوا تھا، وہ کوئی بھی نہ پڑھ سکا — تحریریں پڑھنے کے ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ آخر ہر طرف سے ناکام ہو کر لفافہ میرے حوالے کر دیا گیا۔ اور مجھے ہدایت کی گئی کہ اسے میں اپنی ذاتی تحویل میں رکھوں، چنانچہ میں نے لفافہ اپنے گھر لے جا کر ایک الماری میں رکھ دیا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا — نیلے رنگ کا وہ لفافہ کسی غیر ملکی جاسوس نے اپنے ملک میں بھیجا ہوگا، لیکن وہ راستے میں ہی پکڑا گیا — تو اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جس دن سے لفافہ میرے گھر میں رکھا گیا ہے کوئی رات کے وقت مکان میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ میں باہر کا دروازہ اندر سے بند کر کے سوتا ہوں — ایک دن میں نے اندر کھڑبڑ کی آواز سنی۔ میں جلدی سے اٹھا،

لیکن اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز بند ہوگئی۔ سارے گھر کو دیکھا بھالا مگر کوئی نہ ملا۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔

"اس کا مطلب ہے، کوئی شخص وہ بند لفافہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔" انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب کر بولے۔

"جی ہاں۔" نوجوان نے کہا۔

"کیا آپ کے مکان میں اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"میرے مکان کے پیچھے ایک درخت ہے، اگر اس درخت کے ذریعے آدمی مکان کی چھت پر پہنچ جائے تو پھر وہ نیچے بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"کیوں، کیا زینے میں دروازہ نہیں ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں، کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی دروازہ بنوانے کی ۔۔۔ اکیلا آدمی ہوں ۔۔۔ گھر میں کچھ ایسی قیمتی چیزیں تو ہیں نہیں، جس کے لیے سخت اقدامات کیے جائیں ۔۔۔ بس وہ نیلا لفافہ ہی مصیبت بن گیا ہے۔"

"آپ وہ لفافہ اپنے آفیسر کو واپس کردیں۔" انسپکٹر جمشید نے اسے مشورہ دیا۔

"میں نے ان سے بھی ذکر کیا تھا ۔۔۔ انھوں نے کہا ہے کہ اس لفافے کی تحریر کو پڑھنے کے لیے ایک ماہر کو بلایا گیا ہے، جب تک وہ نہیں آجاتا، اس وقت تک لفافہ مجھے ہی رکھنا ہوگا ۔۔۔ اب میں پریشان ہوں، اگر لفافہ چوری ہوگیا تو محکمے کو کہاں سے لاکر دوں گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں۔" اس نے بتایا۔

"آپ کو اپنے علاقے کے پولیس اسٹیشن جانا چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں وہ آپ کی مدد کرسکتے تھے۔"

"مجھے پولیس والوں پر کوئی بھروسہ نہیں۔ یہ معاملہ خفیہ نوعیت کا ہے۔"

"اچھی بات ہے ۔۔۔ میں اپنے نائب کو ہدایت کردیتا ہوں کہ وہ آپ کے مکان کے آس پاس دو تین آدمیوں کی ڈیوٹی لگادے۔ ویسے میں خود بھی چکر لگاؤں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ مجھے اپنے مکان کا پتا بتادیں۔"

"تیسری سڑک، پہلی گلی، مکان نمبر ۴۵۰۔" اس نے پتا بتایا۔

"آپ نے دس بجے کا وقت بتایا ہے نا؟"

"جی ہاں، دو تین دن سے تقریباً دس بجے کے بعد ہی کھٹر پٹر سنائی دیتی ہے۔"

"بہت اچھا، آج سے ہی آپ کے مکان کی نگرانی شروع کردی جائے گی۔"

"بہت بہت شکریہ جناب ۔۔۔ کیا اب مجھے اجازت ہے؟"

"آپ نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مجھے رؤف خان کہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، اب آپ جا سکتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

رؤف خان کے جاتے ہی انسپکٹر جمشید نے اکرام کو بلایا اور اسے کچھ ہدایات دینے لگے۔

گھر کے اندر

"کیا خیال ہے، اس بوڑھے کے متعلق؟" راستے میں محمود نے کہا۔

"اس کی کہانی بہت عجیب ہے، مجھے تو سراسر جھوٹی معلوم ہوتی ہے۔" فاروق بولا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ بوڑھے نے ہم سے سفید جھوٹ بولا ہے ــــ" محمود نے سر ہلایا۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟" فاروق نے پوچھا۔

"کرنا کیا ہے، آج رات دس بجے سے پہلے تیسری سڑک پر چلیں گے ــــ پہلی گلی کے مکان نمبر ۵۰۴ میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے اور پھر ہو سکا تو نیلا لفافہ بھی حاصل کریں گے۔" محمود مسکرایا۔

"کیا مطلب؟ کیا تم وہ لفافہ اس بوڑھے کو دینا چاہتے ہو، کہیں تم پانچ ہزار روپے کے لالچ میں تو نہیں آ گئے؟"

"یہ بات نہیں، دراصل میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس لفافے میں ہے کیا ــــ اگر بوڑھے کے بیان کے مطابق اس میں سے ان دونوں کا عہد نامہ نکلا تو پھر ہم پانچ ہزار روپے لیے بغیر لفافہ بوڑھے کے حوالے کر دیں گے اور اگر اس میں کچھ اور ہوا تو پھر معاملہ ......" محمود کہتے کہتے رک گیا۔

"کہو کہو، رک کیوں گئے ــــ تو پھر معاملہ ــــ" فاروق مسکرایا۔

"تو پھر معاملہ ابا جان کے سامنے رکھ دیں گے۔" محمود نے ایک دم کہا۔

"بالکل ٹھیک ــــ لیکن ایک بات کہوں، اس معاملے کی بھنک فرزانہ کے کانوں میں نہیں پڑنی چاہیے۔" فاروق بولا۔

"بالکل ــــ وہ ہمیں ہرگز اس مکان میں داخل نہیں ہونے دے گی ــــ فوراً ابا جان کو بتا دے گی۔" محمود مسکرایا۔

"یہی تو میں بھی کہتا ہوں۔ ہم اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر نکل جائیں گے۔ اور اسی راستے سے واپس آ جائیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"اچھی ترکیب ہے۔ اس طرح کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی۔"

"گھر جا کر اپنے چہرے اور حرکات وغیرہ سے یہ معلوم نہ ہونے دینا کہ آج کوئی خاص بات ہوئی ہے۔"

"بے فکر رہو۔"

دونوں گھر پہنچے تو انسپکٹر جمشید، فرزانہ اور بیگم جمشید کے ساتھ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔

"آ گئے تم لوگ؟"

"جی ابا جان ــــ"

"آج تمہیں چند منٹ کی دیر ہو گئی ــــ تمہارے انتظار میں چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔"

"ہمیں افسوس ہے ابا جان، اور شرمندگی بھی۔" محمود نے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں، ویسے کیا کوئی خاص بات تھی۔ پہلے تو تمہیں کبھی دیر نہیں ہوئی۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ فرزانہ بھی ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بیگم جمشید چائے گرم کرنے کے لیے جا چکی تھیں۔

"جی نہیں، کوئی خاص بات تو نہیں تھی۔" فاروق بولا۔

"تو پھر عام بات ہوگی، وہی بتا دو۔" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"ہم نے کب کہا کہ کوئی عام بات تھی۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کوئی نہ کوئی بات تو ضرور تھی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟" دونوں بری طرح چونکے۔

"کیا آج باغ میں تمہارے ساتھ کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہوتا ہوگا تمہیں معلوم —— اب تمہارے معلوم ہونے پر ہم پابندی تو لگانے سے رہے۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"گرمی نہ کھاؤ، میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔" فرزانہ بولی۔

اسی وقت بیگم جمشید چائے گرم کر کے لے آئیں اور بات آئی گئی ہو گئی۔ رات کے کھانے پر انسپکٹر جمشید انہیں عجیب عجیب سی نظروں سے گھورتے رہے۔ فرزانہ بھی سوچ میں گم رہی۔ دونوں حیران تھے کہ آخر بات کیا ہے۔ دونوں کو کیسے یہ شک ہو گیا ہے کہ باغ میں کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ آخر کھانے سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔

"یار، وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، ابا جان اور فرزانہ کو ضرور شک ہو گیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"لیکن ہم نے تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ انہیں کوئی شک نہ ہونے پائے۔" محمود نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"بس، ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ہم چند منٹ دیر سے گھر پہنچے۔" فاروق بولا۔

"خیر، کوئی بات نہیں۔ ابھی کونسی انہیں اصل بات معلوم ہو گئی ہے۔" محمود نے شانے اچکائے۔

"کیوں نہ ہم آج کی بجائے کل چلیں۔" فاروق نے خیال پیش کیا۔

"نہیں، اب کل تک نہیں رہا جائے گا۔ میں جلد از جلد یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس لفافے میں کیا ہے۔" محمود بولا۔

"اچھی بات ہے —— تو ہم آج ہی چلیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"ابھی نو بجے ہیں۔ ہم ٹھیک ساڑھے نو بجے روانہ ہوں گے۔"

اچانک محمود کو دروازے کے پاس کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے فاروق کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا لیکن اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ دروازے پر کوئی نہ تھا۔ صحن میں بھی کوئی نہ تھا۔ اس نے جلدی سے باہر نکل کر بیرونی دروازے کو دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ واپس کمرے میں آیا اور بولا:

"بیرونی دروازہ بند ہے ــــ اگر کوئی ہمارے دروازے پر آیا تھا تو وہ فرزانہ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے کہا۔

"ہوں، وہ ضرور ہماری باتیں سننے کے لیے آئی ہوگی لیکن ہم عین وقت پر ہوشیار ہو گئے اور وہ کھسک گئی۔"

"یہی بات ہے ــــ اب وہ جا چکی ہے ــــ موقع سے فائدہ اٹھاؤ ــــ کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیتے ہیں اور اسی وقت نکل چلتے ہیں۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے۔"

کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے وہ پائیں باغ والی کھڑکی سے باغ میں کود گئے اور پھر باہر نکل آئے ــــ جونہی وہ باہر نکلے، مکان کی چھت پر کھڑی فرزانہ نے انہیں دیکھ لیا۔

* * *

شاید سردی کی وجہ سے گلیاں اور سڑکیں سنسان پڑی تھیں ــــ کبھی کبھار کوئی کار یا موٹر سائیکل گزر جاتی ــــ شہر کی تیسری سڑک پر وہ اس سے پہلے بھی آ چکے تھے ــــ لیکن گلی نمبر ایک میں کبھی داخل نہیں ہوتے تھے۔ یہ جگہ ان کے گھر سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر تھی ــــ تیسری سڑک پر پہنچ کر وہ گلی نمبر ایک میں داخل ہو گئے۔ یہ بہت کھلی گلی تھی ــــ گلی میں بھی کئی گلیاں تھیں جو آر پار تھیں۔ کھمبوں پر جلنے والے مدھم بلبوں کی روشنی میں وہ بمشکل مکانوں کے نمبر پڑھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ پھر اچانک وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ ایک

موڑ پر انہیں دو آدمی کھڑے نظر آئے تھے۔ وہ ایک مکان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"یار، کہیں ہم کسی چکر میں تو نہیں پھنسنے والے۔" محمود نے رکتے ہوئے کہا۔

"کیوں، تم اس نتیجے پر کیسے پہنچ گئے؟" فاروق نے پوچھا۔

دونوں اندھیرے میں کھڑے ہو گئے تھے تاکہ وہ دونوں آدمی انہیں دیکھ نہ سکیں۔ محمود بولا:

"ہم اس وقت مکان نمبر ۴۹۵ کے سامنے کھڑے ہیں۔ درمیان میں آٹھ نو مکان ہیں ــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں مکان نمبر ۵۰۴ کے سامنے کھڑے ہیں ــــ آخر کیوں ــــ یہ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

"کھڑے رہنے دو، ہمارا کیا لیتے ہیں۔" فاروق نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا تم بے وقوف ہو؟"

"خبردار، مجھے بے وقوف کہنے والا ہرگز عقل مند نہیں ہو سکتا۔"

"اچھا بھائی، معاف کر دو۔ میرا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ آخر یہ دونوں مکان نمبر ۵۰۴ کے سامنے کیوں کھڑے ہیں؟"

"تم کہو تو میں جا کر ان سے پوچھ آؤں۔"

"مذاق نہ کرو بھائی، کوئی ڈھنگ کی بات کرو۔" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"ڈھنگ کی بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں مکان کے آگے کھڑے ہیں جب کہ ہمیں پچھلے حصے کی طرف سے مکان پر چڑھنا ہے ــــ اس لیے ان دونوں کی نظروں سے بچ کر مکان کے ساتھ والی گلی میں چلو۔ اس مکان کا پچھلا حصہ ضرور اس گلی میں ہو گا ــــ درخت کی نشانی موجود ہی ہے۔"

"اگر تم یہی چاہتے ہو تو چلو — جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" آخر محمود نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

دونوں دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھنے لگے اور پھر گلی کا موڑ مڑ کر درخت کے پاس پہنچے۔ انھوں نے دیکھا، درخت زیادہ اونچا نہیں تھا۔ واقعی اس کی شاخیں چھت تک جا رہی تھیں۔

"اس پر چڑھنا تو بچوں کا کھیل ہے۔" محمود بولا۔

"تو ہم کون سا جوان ہیں — لو پہلے میں چڑھتا ہوں۔" فاروق نے کہا۔

"وہ تو ظاہر ہے — اس کام میں ماہر ہی تم ہو۔" محمود مسکرایا۔

فاروق نے جوتے اتار کر درخت کے نیچے رکھ دیے اور بندروں کی سی پھرتی سے اوپر چڑھنے لگا۔

"بالکل بندر لگ رہے ہو۔" محمود شرارت سے مسکرایا۔

"شکریہ بھائی جان۔" فاروق نے اوپر چڑھتے ہوئے کہا اور محمود کو ہنسی آ گئی۔

"ہنسو مت، ہمیں پوری احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ یہ نہ بھولو کہ ہم ایک غیر قانونی کام کر رہے ہیں۔"

"اچھا بھائی، اب نہیں ہنسوں گا — کیا میں بھی چڑھنا شروع کر دوں؟" محمود نے پوچھا۔

"ابھی نہیں — ہو سکتا ہے، چھت پر کوئی خطرہ پیش آنے والا ہو — اس طرح کم از کم تم تو بچ جاؤ گے۔" فاروق نے معقول بات کہی۔

"بات تو یہ بھی ٹھیک ہے — اچھا تو اوپر پہنچ کر اپنی خیریت کی اطلاع دینا نہ بھولنا۔" محمود نے شریر لہجے میں کہا۔

ایک منٹ بعد ہی فاروق چھت پر پہنچ گیا۔ اس نے جھکتے ہوئے کہا:

"بھائی جان، آ جائیں۔ میں یہاں پر خیریت سے پہنچ گیا ہوں اور چھت پر ہر طرف خیریت ہی خیریت ہے۔"

"بہت خوب، میں آ رہا ہوں — تم اتنی دیر میں نیچے جانے والے راستے کا جائزہ لے لو۔" محمود نے نیچے سے کہا۔

"جلدی کی ضرورت نہیں — ابھی پونے دس بجے ہیں۔"

"ہمیں دس بجے تک نیلا لفافہ حاصل کر کے واپس روانہ ہو جانا چاہیے۔"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔"

محمود کو اس کے پاس پہنچنے میں ایک منٹ سے کچھ سیکنڈ زیادہ لگے — اتنی دیر میں فاروق زینے کو دیکھ چکا تھا۔

"عجیب بات ہے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"کیا بات عجیب نظر آ رہی ہے تمہیں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ابھی ابھی تو تم نے کہا تھا کہ ہر طرف خیریت ہی خیریت ہے۔"

"زینے میں دروازہ نہیں لگا ہوا ہے۔" فاروق نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا۔

"کیا مطلب؟" محمود چونکا۔

"زینے کا مطلب بتاؤں یا دروازے کا۔" فاروق نے جھلا کر پوچھا۔

"میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ زینے میں دروازہ نہیں ہے۔"

"بس سمجھ گیا — بات عجیب ضرور ہے لیکن اتنی عجیب نہیں کہ ہم یہاں کھڑے ہو کر وقت ضائع کرنا شروع کر دیں۔"

"آؤ چلیں —"

دونوں دبے پاؤں سیڑھیاں اترنے لگے۔ بوڑھے نے انہیں بتایا تھا کہ گھر میں کوئی نہیں ہوگا، اس لیے وہ زیادہ پریشان نہیں تھے۔ گھر میں مکمل خاموشی نے انہیں یقین دلا دیا کہ واقعی گھر خالی ہے۔ سیڑھیاں اترتے ہی انہیں ایک صحن دکھائی دیا۔ صحن میں ایک طرف ایک کمرہ تھا اور دوسری طرف دو کمرے، لیکن اندھیرے میں انہیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کونسے کمرے کا دروازہ نیلے رنگ کا ہے — کیونکہ اندھیرے میں نیلا رنگ بھی کالا ہی دکھائی دیتا ہے۔

"یہ تو ہم نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اب یہ کیسے پتا چلے کہ نیلا دروازہ کونسا ہے؟" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

"اس کے لیے ہمیں صحن کا بلب روشن کرنا پڑے گا۔" محمود مسکرایا۔

"اور اس سے پہلے سوئچ تلاش کرنا پڑے گا۔"

دونوں دیوار پر ہاتھ پھیر کر سوئچ تلاش کرنے لگے۔ آخر محمود کا ہاتھ سوئچ سے ٹکرا گیا — دوسرے ہی لمحے صحن روشن ہو گیا۔ روشنی میں بھی کمرے کے دروازے کا رنگ نیلا نظر نہیں آیا؛ تاہم فرق ضرور محسوس ہو گیا۔ دو دروازے بالکل سیاہ رنگ کے تھے جب کہ تیسرا دروازہ کم سیاہ تھا — وہ دراصل نیلا تھا، لیکن رات کو نیلا رنگ روشنی میں بھی صاف نیلا نظر نہیں

آتا۔

"میرا خیال ہے، یہی کمرہ ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں کھولو دروازہ — ہم کافی وقت ضائع کر چکے ہیں۔" فاروق نے بے تابی سے کہا۔

دروازے پر کوئی تالا نہیں لگا تھا — انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ اب انہوں نے کمرے کا سوئچ تلاش کیا اور کمرہ روشن ہو گیا۔

"جاؤ، برآمدے کا بلب بجھا دو۔" محمود بولا۔

"کیوں، اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"احتیاط کا تقاضا یہی ہے — اس طرح باہر کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کو مکان میں روشنی نظر آئے گی۔ کہیں ان کا نیچے کھڑے ہونے سے کوئی خاص مقصد نہ ہو۔"

"اچھی بات ہے، تم ذرا جلدی سے الماری کا تالا کھولنے کی کوشش کرو۔" فاروق نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

"بہت اچھا —" محمود کے منہ سے نکلا۔

فاروق صحن کی بتی بجھا کر واپس آیا تو محمود تالے پر جھکا ہوا تھا — پھر جونہی الماری کا تالا کھلا، کسی نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔

دونوں زور سے اچھلے —

خبردار!

انسپکٹر جمشید کی موٹر سائیکل دس بجنے میں چند منٹ پر تیسری سڑک کی گلی نمبر ایک میں داخل ہوئی اور پھر گلی میں کھڑے دو آدمیوں کے پاس آکر رک گئی۔ دونوں لپک کر ان کے قریب آگئے۔ ان میں سے ایک سب انسپکٹر اکرام تھا اور دوسرا ایک کانسٹیبل۔

"کیا خبر ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہمیں تو یہاں کوئی عجیب بات محسوس نہیں ہوئی۔"

"کوئی مکان کی طرف آتا نظر نہیں آیا؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں، ابھی تک تو کوئی نہیں آیا۔"

"تم نے مکان کی پچھلی طرف بھی دھیان دیا یا نہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی پچھلی طرف — نہیں تو۔" سب انسپکٹر اکرام کے منہ سے نکلا۔

"اوہ — تب تو تم سے غلطی ہوئی۔ تمہیں مکان کے پچھلے حصے کو بھی نظر میں رکھنا چاہیے تھا — خیر، یہ دیکھو کہ مکان کا دروازہ کھلا ہے یا بند؟"

"جی اچھا۔" اکرام نے کہا، دروازے پر جا کر اسے اندر کی طرف دھکیلا —

"دروازہ اندر سے بند ہے جناب۔" اس نے واپس آکر کہا۔

"آؤ، ہم ایک نظر پچھلے حصے پر ڈال لیں۔"

وہ ان کے ساتھ ساتھ والی گلی کے ذریعے پچھلے حصے کی طرف آئے — درخت کو کچھ دور سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا:

"اس درخت کے ذریعے مکان کے اندر جانا بہت آسان ہے۔ رحمت تم درخت کے پاس ٹھہرو۔ ہم ذرا مکان کا اندر سے جائزہ لے آئیں۔" انہوں نے کانسٹیبل سے کہا۔

"جی اچھا۔" رحمت نے باادب ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید ان کے دکھ سکھ میں برابر شریک ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے وہ دوسرے افسروں سے کہیں زیادہ ان کا ادب اور احترام کرتے تھے — ابھی پچھلے دنوں رحمت کی بیوی بیمار ہو گئی تھی۔ وہ انسپکٹر جمشید کے پاس آیا اور بتایا کہ اس کی جیب میں پیسے نہیں ہیں اور ڈاکٹر کو لانا بہت ضروری ہے۔ انسپکٹر جمشید نے اسے پیسے دے کر چلتا نہیں کیا بلکہ خود اپنے ایک دوست ڈاکٹر کو فون کر کے بلایا اور اسے لے کر رحمت کے گھر گئے۔ ڈاکٹر کی فیس اور دوائی کی قیمت ادا کی اور رحمت کو پھل وغیرہ کے لیے کچھ پیسے دیے — اسی قسم کا سلوک وہ ہر ملازم سے کرتے تھے۔ دوسرے بھی ان پر اپنی جان چھڑکنے کے لیے تیار رہتے تھے —

وہ اکرام کو ساتھ لے کر مکان کے دروازے کے پاس آئے اور گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ کر دبا دیا۔ اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ چند سیکنڈ

بعد دروازہ کھلا اور رؤف خان باہر نکلا ــــ جونہی اس کی نظر انسپکٹر جمشید پر پڑی ــ وہ حیران رہ گیا ــــ اس کی آنکھوں میں نیند تھی۔ شاید وہ سویا ہوا تھا۔

"ارے آپ، آپ نے کیوں تکلیف کی ــــ آپ کے آدمی پہنچ تو گئے تھے۔"

"کوئی بات نہیں ــــ اپنا اطمینان کرنے کے لیے چلا آیا تھا ــ آپ کہیے، آج تو اندر کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔"

"جی نہیں، ابھی تک تو سب ٹھیک ہے۔" رؤف خان بولا۔

"آپ شاید سو رہے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں، میں جلد سو جانے کا عادی ہوں۔" رؤف خان نے کہا۔

"میں آپ کا مکان اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں اور خاص طور پر وہ کمرہ، جس کی الماری میں نیلا لفافہ رکھا ہے۔" وہ بولے۔

"آئیے۔" اس نے راستہ دیتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر جمشید اور سب انسپکٹر اکرام اس کے ساتھ اندر داخل ہوئے ــــ ابھی چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ انسپکٹر جمشید چونک کر رک گئے۔

"کیا بات ہے جناب؟" اکرام نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"رؤف خان، آپ تو کہتے تھے کہ اندر سب کچھ ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی، کیا مطلب؟" رؤف خان نے چونک کر کہا۔

"اندر کوئی موجود ہے ــ" وہ مسکرائے۔

"جی ــ" دونوں حیران رہ گئے، پھر اکرام نے کہا۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اندر کوئی موجود ہے۔"

"میرا تجربہ کہہ رہا ہے کہ ہمارے علاوہ مکان میں کوئی اور بھی موجود ہے۔"

"حیرت ہے ــ" رؤف خان نے کہا اور صحن کی بتی روشن کر دی۔

"دبے پاؤں نیلے لفافے والے کمرے کی طرف چلیں ــ" انسپکٹر جمشید نے کہا ــ

تینوں اس کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

☼ ☼ ☼

گھنٹی کی آواز سن کر ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ــــ محمود نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا:

"فوراً بتی بجھا دو۔"

فاروق نے سوئچ آف کر دیا ــــ کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔ دونوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ آخر فاروق نے کہا:

"مکان تو خالی پڑا ہے۔ ہو سکتا ہے، کوئی ملاقاتی آ گیا ہو۔ جب اسے کوئی جواب نہیں ملے گا تو خود ہی چلا جائے گا۔"

"ملاقاتی اور اس وقت ــــ رات کے دس بجے ــ" محمود نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

"رات کے دس بجے کسی ملاقاتی کا آنا ناممکن تو نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"ہوں، کیا خیال ہے ــــ میں اندھیرے میں ہی الماری کا تالا کھولنے کی

کوشش کیوں نہ کروں" محمود نے کہا۔

"بات معقول ہے" فاروق نے اس کی تائید کی۔

چابیاں ابھی تک محمود کے ہاتھ میں تھیں۔ الماری کے نزدیک وہ پہلے ہی موجود تھا۔ اس نے تالے کو ہاتھ میں پکڑا اور باری باری اس میں چابیاں لگانے لگا، اور عین اس وقت جب کہ تالا کھلا انہوں نے ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ وہ دھک سے رہ گئے ــــ آنکھیں اور منہ حیرت اور خوف کی وجہ سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

کوئی مکان میں موجود تھا ــــ

جب کہ انہیں بتایا گیا تھا کہ مکان خالی ہوگا۔ بوڑھے کی ایک بات تو بالکل جھوٹ ثابت ہوگئی تھی۔ اس جھوٹ کے ثابت ہوتے ہی انہوں نے اپنے سانس رکتے محسوس کیے۔ یہ خیال ایک ساتھ ان کے ذہنوں میں ابھرا..... کیا وہ کسی جال میں پھنس گئے ہیں ــــ دوسری طرف الماری کا تالا کھل گیا تھا۔

"فاروق، اب کیا کریں؟ تالا کھل چکا ہے" محمود نے سرگوشی کی۔

"جو بھی ہو، تم الماری کھول کر اس میں سے لفافہ نکال لو"

"بہت اچھا" محمود نے کہا اور الماری کے پٹ کھول ڈالے۔ دونوں اندھوں کی طرح الماری کے خانوں کو ٹٹولنے لگے۔ الماری میں شیشیاں، بوتلیں اور کئی ڈبے ان کے ہاتھوں سے ٹکرائے ــــ دوسری طرف انہوں نے قدموں کی چاپ سنی جو بیرونی دروازے کی طرف جا رہی تھی۔

"فاروق، خطرہ لمحہ لمحہ بڑھ رہا ہے ــــ مکان میں جو کوئی بھی ہے، وہ

دروازے پر یہ دیکھنے گیا ہے کہ کون آیا ہے؟"

"ہوں، اسے فی الحال ہماری موجودگی کے بارے میں معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ ملاقاتی کو دروازے پر سے ہی رخصت کر دے اور خود اپنے کمرے میں جا کر سو جائے، اس صورت میں ہم خطرے سے باہر ہوں گے"

"باتوں میں وقت ضائع کرنے سے یہ بہتر ہے کہ ہم جلد از جلد لفافہ تلاش کر کے یہاں سے نکل چلیں"

دونوں ایک بار پھر تیزی سے الماری کے خانوں میں ہاتھ مارنے لگے ــ اچانک فاروق کے منہ سے نکلا:

"لفافہ مل گیا ہے" اس کی آواز میں جوش کی وجہ سے کپکپی تھی۔

"بہت خوب، آؤ اب چلیں" محمود نے جلدی سے کہا۔

"ٹھہرو، پہلے الماری کو تالا لگا دو" فاروق بولا۔

"ہوں، یہ بھی ٹھیک ہے"

تالا لگا کر وہ دروازے کی طرف بڑھے۔ اسی وقت انہوں نے کئی آدمیوں کے قدموں کی آواز سنی جو اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دونوں رک گئے۔

"فوراً دروازہ بند کر دو ــــ اس وقت کمرے سے نکلنا خطرناک ہوگا" محمود نے کہا اور فاروق نے دروازے کے دونوں پٹ بند کر دیے۔

"کیا چٹخنی بھی لگا دوں؟" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں، اسی طرح رہنے دو اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ" محمود نے مشورہ دیا ــــ اگر دروازہ اندر سے بند کر دیا اور انہوں نے دروازے کو دھکیل کر

دیکھ لیا تو دروازہ نہ کھلنے پر معاملہ بگڑ جائے گا ــــ انہیں یقین ہو جائے گا کہ اندر کوئی موجود ہے۔ دوسری صورت میں بچنے کے امکانات ہیں۔"

"ٹھیک ہے ــــ لیکن کیوں نہ ہم غسل خانے میں گھس چلیں۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

"اوہ، یہ ٹھیک رہے گا ــــ آؤ۔"

دونوں نے جب بتی جلائی تھی تو یہ دیکھ لیا تھا کہ غسل خانہ کس طرف ہے اس لیے اندھیرے میں غسل خانے میں داخل ہونے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔

جوں ہی وہ غسل خانے میں گھسے، کمرے کا دروازہ کھل گیا ــــ ساتھ ہی انہوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی:

"خبردار، کمرے میں جو کوئی بھی ہے ہاتھ اوپر اٹھا دے ــــ میرے ہاتھ میں پستول ہے۔"

بُرے پھنسے

چند سیکنڈ تک جب کوئی جواب نہ ملا تو انسپکٹر جمشید بے دھڑک کمرے میں داخل ہو گئے۔ ان کے پیچھے اکرام اور رؤف خان نے بتی جلا دی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا ــــ

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"اور الماری کا تالا بھی لگا ہوا ہے۔" رؤف خان کے منہ سے نکلا۔

"ہوں، تو میرا خیال غلط تھا ــــ" انسپکٹر جمشید نے بغور کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کہیں رؤف صاحب کو وہم تو نہیں ہو گیا۔" اکرام نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ــــ میں وہمی نہیں ہوں۔" رؤف خان نے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں ــــ آئیے ذرا دوسرے کمروں کا بھی جائزہ لے لیں۔ یہاں تو سب خیریت ہے ــــ" انسپکٹر جمشید بولے اور کمرے سے باہر کی طرف چل پڑے۔

"بتی بجھا دیں۔" انہوں نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

باقی دو کمروں میں بھی انہیں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ ان تین کمروں کے علاوہ مکان میں ایک باورچی خانہ تھا۔ باورچی خانے کا جائزہ بھی لیا گیا۔ پھر اچانک انسپکٹر جمشید چونک اٹھے:

"اوہ، غلطی ہوگئی۔"

"کیا مطلب؟" اکرام نے حیران ہوکر پوچھا۔

"ہمیں الماری کا تالا کھول کر دیکھنا چاہیے تھا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کوئی ہم سے پہلے الماری میں سے وہ لفافہ اڑا چکا ہو اور نکلنے میں کامیاب ہوگیا ہو۔"

"لیکن تالا تو لگا ہوا ہے۔" رؤف خان نے اعتراض کیا۔

"تالا اگر چابی سے کھولا گیا ہے تو پھر اسے دوبارہ لگایا بھی جا سکتا ہے، اگر توڑا جائے تو دوسری بات ہے۔ آیئے میرے ساتھ۔"

تینوں تیز تیز قدم چلتے ہوئے دوبارہ اسی کمرے میں آئے۔ رؤف خان نے الماری کا تالا کھول ڈالا۔ دروازے کے پٹ کھولتے ہی وہ دھک سے رہ گیا۔ اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

"ارے ۔۔۔ میں مر گیا۔"

"کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"لفافہ غائب ہے۔" رؤف خان کی آنکھیں خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

"کیا! لفافہ غائب ہے؟" اکرام نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"تو میرا خیال ٹھیک تھا۔ مکان میں ضرور کوئی موجود تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ل..... لیکن..... کمرے میں تو ہمیں کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔"

"وہ..... میرا خیال ہے..... وہ جو کوئی بھی تھا، غسل خانے میں چھپا ہوا تھا۔ اس وقت میرا دھیان غسل خانے کی طرف نہیں گیا تھا۔"

انسپکٹر جمشید نے کہا اور آگے بڑھ کر غسل خانے کا دروازہ کھول ڈالا۔ غسل خانہ اندر سے خالی تھا۔ غور سے دیکھنے پر بھی کچھ اندازہ نہیں لگایا جا سکا کہ کچھ دیر پہلے کوئی اندر موجود تھا یا نہیں۔

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں، وہ اس غسل خانے میں اس وقت بھی موجود تھا جب ہم کمرے میں آئے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اوہ۔" اُن کے منہ سے نکلا۔

"ہم سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ بیرونی دروازے پر کسی کو چھوڑ کر نہیں آئے۔ رحمت کو ہم پچھلے حصے کی طرف کھڑے رہنے کی ہدایت کر آئے ہیں۔ اس لیے اب لفافے لے جانے والے کو گرفتار کرنا آسان نہیں رہا۔"

"اُف خدا، اب کیا ہوگا۔" رؤف خان نے کہا اور بے ہوش ہو کر گرنے لگا۔

انسپکٹر جمشید اور اکرام نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا اور صوفے پر لٹا دیا۔

"یہ عجیب چکر ہے ـــــ معاملہ کچھ پلے نہیں پڑا۔" اکرام رؤف خان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں خود ہی حیران ہوں ـــــ یا تو رؤف خان نے ہم سے بالکل جھوٹ بولا ہے یا اس نے جو کچھ کہا ہے بالکل سچ کہا ہے۔"

"اب کیا کیا جائے ؟"

"پہلے تو اسے ہوش میں لانا ہوگا۔ صبح کو یہ رپورٹ اپنے علاقے کے تھانے میں درج کرائے گا ـــــ اس کے بعد ہم اس کے آفیسر سے ملیں گے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ لفافے میں دراصل کیا تھا۔"

"بہت بہتر۔"

جب رؤف خان کو ہوش میں لانے کے بعد وہ گھر سے باہر نکلے اور مکان کی پچھلی طرف آئے تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ رحمت درخت کے پاس سے غائب تھا۔

✲ ✲ ✲

اپنے والد کی آواز سن کر ان کی سٹی گم ہو گئی ـــــ پیروں تلے سے زمین نکل گئی ـــــ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور جسم تھر تھر کانپنے لگے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ بھی عین اسی وقت یہاں آ جائیں گے جب وہ یہاں موجود ہوں گے ـــــ اس کے ساتھ ہی وہ حیران تھے کہ آخر ان کے والد یہاں کس لیے آئے ہیں۔

ان کی جان پر بنی ہوئی تھی ـــــ دونوں دم سادھے غسل خانے کی دیوار

کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے تاکہ اگر دروازے کو کھول کر اندر جھانکا جائے تو پہلی نظر میں دکھائی نہ دے سکیں۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے والد اگر یہاں آئے ہیں تو اس کی خاص ہی وجہ ہو سکتی ہے اور یہ کہ وہ غسل خانے کو دیکھے بغیر نہیں جائیں گے۔ اسی خیال نے ان کی جان پر بنا دی تھی۔ یہ سوچ سوچ کر ان کے دل دہلے جا رہے تھے کہ جب اُن کا اپنے والد سے سامنا ہوگا تو کیا ہوگا۔ اس وقت ان کی حالت کیا ہوگی ـــــ وہ کیا کہیں گے، کیا جواب دیں گے ـــــ

لیکن دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ انسپکٹر جمشید کہہ رہے تھے :

"خیر کوئی بات نہیں...... آیئے ذرا دوسرے کمروں کو بھی دیکھیں۔"

انھوں نے کمرے سے جانے کی آوازیں سُنیں۔

"محمود، یہ موقع ہمیں قدرت نے عطا فرمایا ہے۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"ہاں، اور ہم اس موقع کو ضائع نہیں کریں گے، آؤ۔"

دونوں غسل خانے سے نکل آئے اور دیوار کے ساتھ لگ کر صحن کی طرف بڑھنے لگے۔

"فاروق، ہم بیرونی دروازے سے نکلیں گے۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"لیکن ہمارے جوتے تو درخت کے نیچے پڑے ہیں۔" فاروق بولا۔

"تو کیا ہوا، ہم دروازے سے نکل کر پچھلے حصے کی طرف چلے جائیں گے۔" محمود نے جواب دیا۔

"ہوں، موقع اچھا ہے۔ نکل چلو۔" فاروق نے سرگوشی میں کہا۔
صحن سے ہوتے ہوئے وہ بیرونی دروازے تک آ گئے۔ اسی وقت انہوں
نے اپنے والد کی آواز سنی، وہ کہہ رہے تھے:
"اوہ، غلطی ہو گئی۔"
اس جملے کے ساتھ ہی وہ باہر نکل آئے ۔۔۔ انہیں یوں لگا جیسے کسی لمبی
قید سے آزاد ہوئے ہوں۔ وہ بے تحاشا پچھلے حصے کی طرف بھاگے، لیکن پھر ٹھٹک
کر رک گئے ۔۔۔ درخت سے چند گز دور کوئی کھڑا تھا۔
"یہ تو انہی میں سے ایک ہے جو پہلے گھر کے آگے کھڑے تھے۔" فاروق
کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، اب یا تو ہمیں اپنے جوتے یہاں چھوڑ کر بھاگنا ہوگا یا پھر اس
کی نظروں میں آنے کا خطرہ مول لینا ہوگا۔" محمود نے خیال پیش کیا۔
"ہوں، ہم اپنے جوتے یہاں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ اس طرح تو ہم
پکڑے جائیں گے۔"
"تو پھر آؤ ۔۔۔ اس طرح آگے بڑھیں کہ اس کی نظر ہم پر نہ پڑنے پائے۔"
وہ تیزی سے دبے پاؤں آگے کھسکنے لگے۔
ابھی تک وہ خطرے سے باہر نہیں نکلے تھے ۔۔۔ آخر وہ جوتوں کے
قریب پہنچ گئے، جونہی انہوں نے جوتے اٹھائے، وہ آدمی چونک اٹھا۔ اس
نے چلا کر کہا:
"خبردار، گولی مار دوں گا۔"

وہ بھڑک کر بھاگے ۔۔۔ رحمت بھی سر پر پاؤں رکھ کر ان کے پیچھے
بھاگ کھڑا ہوا۔

اپنے کمرے میں

دونوں اگرچہ دوڑنے میں بہت ماہر تھے لیکن رحمت بھی محکمہ سراغرسانی میں ملازم تھا — اس لیے وہ بھی بہت تیز دوڑ رہا تھا۔ رحمت کو کیا معلوم تھا کہ وہ اپنے افسر کے بچوں کا تعاقب کر رہا ہے، اگر معلوم بھی ہوتا، پھر بھی وہ ان کا تعاقب کرنے پر مجبور تھا۔ اسے مکان کی نگرانی پر مقرر کیا گیا تھا اور یہ دونوں وہاں سے بھڑک کر بھاگے تھے۔ اس کے للکارنے پر بھی نہیں رُکے تھے۔

"یار فاروق، کہیں یہ حضرت ہمیں پکڑ ہی نہ لیں" محمود نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"مشکل ہے، ہم کرکٹ کے کھلاڑی ہیں" فاروق بولا۔

"تو وہ بھی پولیس میں ملازم معلوم ہوتا ہے — ہم سے کم نہیں ہے" محمود نے بدستور بھاگتے ہوئے کہا۔

"اسے چکمہ دینا کونسا مشکل کام ہے — جب کہو، اس سے پیچھا چھڑا لیں گے" فاروق مسکرایا۔

اب وہ سڑک پر نکل آئے تھے اور سرپٹ بھاگ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے، ہمیں اس دوڑ کو طول نہیں دینا چاہیے" محمود بولا:

"کہیں کوئی اور کانسٹیبل اس کی مدد کو نہ آجائے — اگر یہ سیٹی بجا دیتا تو اس وقت تک شاید ہم گھیر لیے گئے تھے"

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے — اچھا، جو دائیں ہاتھ گلی آئے گی، اس میں مڑ جانا — مڑنے کے فوراً بعد جو گلی آئے اس میں مڑ جانا" فاروق نے ترکیب بتائی۔

"اور اگر کوئی گلی نہ ہوئی تو کیا کریں گے؟"

"سیدھے بھاگتے رہیں گے اور جب کوئی گلی آئے گی، اس میں گھس جائیں گے"

"اور اگر اس طرح ہم اس سے پیچھا نہ چھڑا سکے؟" محمود نے سوال کیا۔

"تو دوسری ترکیب اختیار کی جائے گی"

اچانک دائیں ہاتھ انہیں ایک گلی نظر آئی۔ وہ اندھا دھند اس میں گھس گئے، لیکن پھر فوراً ہی ان کے ہوش اڑ گئے۔ گلی تو بند تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"مروا دیا تم نے" محمود نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ گلی بند نکل آئے گی" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"وہ گلی کا موڑ مڑنے ہی والا ہوگا — اب کیا کریں؟" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"اب ہم اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے کہ کسی مکان میں گھس جائیں"

"آؤ! اب سوچنے کے لیے وقت نہیں رہ گیا۔"

دونوں ایک مکان کا کھلا دروازہ دیکھ کر اس میں گھس گئے اور دروازے کے ساتھ ہی لگ کر کھڑے ہو گئے۔ ساتھ ساتھ وہ باہر بھی جھانک رہے تھے۔ فوراً ہی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی، پھر جوں ہی پیچھا کرنے والا اس مکان سے آگے نکلا، وہ باہر نکل آئے اور سڑک کی طرف لپکے۔ رحمت نے مڑ کر دیکھا اور پھر ان کی طرف بھاگا۔ ایک بار پھر دوڑ شروع ہو چکی تھی اب وہ سڑک پر بھاگے جا رہے تھے۔

"اب ترکیب نمبر دو ہی استعمال کرنا پڑے گی۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے۔" فاروق بولا۔

"ایک دو تین۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

ایک دو تین کے ساتھ ہی دونوں نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ محمود دائیں طرف مڑ گیا اور فاروق بائیں طرف۔ رحمت ایک لمحے کے لیے حیران رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس کے پیچھے جائے اور یہ ایک لمحے کی دیر ہی محمود اور فاروق کو فائدہ پہنچا گئی۔ اب جو رحمت دائیں طرف مڑا تو محمود اس کی نظروں سے اوجھل تھا۔ وہ بوکھلا کر واپس بائیں طرف آیا لیکن فاروق بھی غائب ہو چکا تھا اور رحمت سڑک پر کھڑا چکراتا رہ گیا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد دونوں اپنے گھر کی گلی میں داخل ہو رہے تھے۔

"خدا کا شکر ہے۔ آج تو ہم بہت برے پھنسے تھے۔" محمود کہہ رہا تھا۔

"ایسے برے کہ اس سے پہلے کبھی نہ پھنسے ہوں گے۔" فاروق نے سکون کا سانس لے کر کہا۔

"ویسے اگر ہم الگ الگ راستہ اختیار نہ کرتے تو اتنی جلدی پیچھا نہ چھوٹتا۔" محمود مسکرایا۔

"وہ۔ نیلا لفافہ تو پاس ہے نا؟" فاروق نے پوچھا۔

"وہ تو فساد کی جڑ ہے۔ بے فکر رہو، اسے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔" محمود بولا۔

"اب ہم دیکھیں گے کہ اس لفافے میں کیا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"ہوں، مگر فرزانہ کو ہوا نہ لگنے دینا، ورنہ وہ ہمیں نہیں بخشے گی۔ آج کا واقعہ ہی ایسا خطرناک ہے۔"

"بے فکر رہو، اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہو گی۔"

"بیرونی دروازہ تو بند ہو گا۔ ہم اپنی کھڑکی کے راستے ہی کمرے میں داخل ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

دونوں پائیں باغ سے ہوتے ہوئے کھڑکی تک پہنچ گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ اچک کر اپنے کمرے میں کودے۔ فاروق نے بلب جلایا اور پھر وہ بڑے زور سے اچھلے۔

فرزانہ ایک کرسی پر اطمینان سے بیٹھی انہیں گھور رہی تھی۔

* * *

"ارے، یہ رحمت کہاں چلا گیا؟" اکرام کے منہ سے نکلا۔

"شاید وہ کسی کے پیچھے بھاگا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی، کیا مطلب؟" اکرام نے چونک کر کہا۔

"یہ بات، تو ثابت ہو چکی ہے کہ کوئی رؤف خان کے مکان میں داخل ہوا تھا، اور وہ اس وقت بھی اندر موجود تھا جب ہم مکان میں داخل ہوئے۔ مجھ سے غلطی ہوئی اور میں نے کمرے کا غسل خانہ نہ دیکھا ــــ اسے باہر نکلنے کا موقع مل گیا ــــ وہ چونکہ درخت کے ذریعے اندر داخل ہوا تھا، اس لیے اس نے اپنے جوتے درخت کے نیچے چھوڑ دیے ہوں گے ــــ وہ باہر تو نکل آیا بیرونی دروازے سے، لیکن جوتے اٹھانے کے لیے اسے درخت تک آنا پڑا ہوگا ــــ بس، رحمت نے اسے للکارا ہوگا اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔"

"ہوں، ضرور یہی بات ہے ــــ پھر کیا اب ہم رحمت کا یہیں ٹھہر کر انتظار کریں؟" اکرام نے پوچھا۔

"یہی کرنا ہوگا۔"

"کیا آپ اب تک کچھ اندازہ لگا سکے ہیں کہ یہ چکر کیا ہے؟" اکرام نے پوچھا۔

"نہیں، لیکن بہت جلد میں اصل حقیقت معلوم کر لوں گا۔"

"میرا تو یہی خیال ہے کہ رؤف خان نے آپ سے آ کر جھوٹ بولا ہے۔" اکرام بولا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آخر اس نے اپنے آفیسر کا بھی تو حوالہ دیا ہے۔ اب اگر اس کا آفیسر اس کی بات کی تصدیق کر دیتا ہے تو پھر اس کی بات کو غلط کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے اور اس لفافے کے گم ہونے کے بعد ہمیں اس کے آفیسر سے ملنا ہی پڑے گا۔"

"چلیے فرض کر لیتے ہیں کہ اس کا بیان بالکل ٹھیک ہے۔ اس صورت میں وہ اس قدر اطمینان سے کس طرح سو سکتا ہے۔ اس کی تو راتوں کی نیند اڑ جانی چاہیے تھی۔" اکرام نے کہا۔

"ہوں، بات تو تمہاری ٹھیک ہے یہی چیز مجھے پریشان کر رہی ہے ــــ آخر اس نے چھت والے زینے میں دروازہ کیوں نہیں لگوایا ــــ کمرے اس کے گھر میں راتوں کو کھڑ بڑ کرتا پھرتا تھا لیکن جب ہم پہنچے تو وہ سو رہا تھا۔ آخر کیوں؟ مجھے اس کیوں کا جواب نہیں ملتا۔" انسپکٹر جمشید نے الجھ کر کہا۔

"اور پھر اس نے الماری والے کمرے کو تالا نہیں لگایا ــــ کیا یہ ضروری نہیں تھا۔" اکرام نے کہا۔

"بہت ضروری، ان حالات میں تو لوگ کئی کئی تالے لگا دیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہی وجہ ہے کہ میں رؤف خان کی طرف سے فکر مند ہوں۔"

"کوئی بات نہیں، ہم کل اس سلسلے میں تحقیقات کریں گے اور انشاءاللہ بہت جلد کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔"

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز آئی۔ انہوں نے دیکھا، رحمت ان

کی طرف آ رہا تھا ۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"کیوں رحمت، تم کس کے پیچھے بھاگے تھے ؟" اکرام نے پوچھا۔

"وہ دو لڑکے تھے ۔۔۔ بیرونی دروازے سے درخت کی طرف آئے تھے۔ میں نے للکارا تو بھاگ کھڑے ہوئے ۔"

"تو تم انہیں پکڑ نہیں سکے ؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں جناب، مجھے بہت افسوس ہے ۔ وہ بہت تیز طرار اور چالاک تھے ۔" رحمت نے کہا : "وہ مجھے چکمہ دینے میں کامیاب ہو گئے ۔"

"خیر کوئی بات نہیں ۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ لفافہ انہوں نے چرایا ہے ۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا ۔

انسپکٹر جمشید آ گئے

"کہاں گئے تھے تم دونوں ؟" فرزانہ نے تیز لہجے میں کہا۔

"پہلے تم بتاؤ کہ تم یہاں کیسے نظر آ رہی ہو ؟" محمود نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

"ناشتے کی میز پر تم دونوں پر ایک عجیب سی حالت طاری تھی ۔ میں اسی وقت بھانپ گئی تھی کہ ضرور کوئی بات ہے ۔۔۔ پھر جب رات کے کھانے کے بعد تم دونوں اپنے کمرے میں گئے تو میں دروازے پر آ گئی ۔ جب تمہیں شک ہوا کہ کوئی تمہاری باتیں سن رہا ہے تو تم دروازے پر آئے لیکن میں چند سیکنڈ پہلے، تمہارے خاموش ہوتے ہی کھسک گئی اور چھت پر چڑھ گئی ۔ پھر میں نے ٹھیک ساڑھے نو بجے تمہیں کھڑکی کے ذریعے باہر جاتے دیکھا ۔ اب تم بتاؤ ۔۔۔ اس وقت ساڑھے دس بج رہے ہیں ۔ تم ایک گھنٹہ تک گھر سے باہر رہے ہو ۔ جب کہ ابا جان کا حکم ہے کہ ہم رات کے وقت گھر سے باہر نہیں جا سکتے ۔۔۔ اگر تم نے مجھ سے سب کچھ سچ سچ نہ بتا دیا تو میں ابھی اور اسی وقت ابا جان کو سب کچھ بتا دوں گی ۔" فرزانہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی ۔

محمود نے فاروق کی طرف اور فاروق نے محمود کی طرف بے بسی سے دیکھا۔

آخر محمود نے شانے اچکا کر کہا۔

"تم پوری شیطان کی خالہ ہو۔"

"میں ابا جان کو یہ بھی بتاؤں گی کہ تم نے مجھے شیطان کی خالہ کہا ہے۔" فرزانہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"دیکھو فرزانہ ہم ایک بہت ضروری کام سے گئے تھے۔ اس سلسلے میں تمہیں ہم کچھ بھی نہیں بتا سکتے۔"

"ٹھیک ہے، میں ابا جان کے پاس جا رہی ہوں۔" فرزانہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے، اچھی بہن —— کچھ تو سوچو —— ہم دونوں تمہارے بھائی ہیں۔" محمود نے اٹھ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔

"لیکن ابھی ابھی تو تم نے مجھے شیطان کی خالہ کہا تھا۔" فرزانہ نے آنکھیں نکالیں۔

"ارے، وہ تو ہم یونہی مذاق کر رہے تھے۔" فاروق نے اسے بازو سے تھامتے ہوئے کہا۔

"اچھا خیر، پہلے مجھے اصل بات بتاؤ، صرف اس صورت میں میں درگزر کر سکتی ہوں —— لیکن یاد رکھو، اگر تم نے کوئی من گھڑت کہانی سنانے کی کوشش کی تو ہرگز کامیاب نہیں ہو گے اور میں فوراً ابا جان کے پاس پہنچ جاؤں گی۔" فرزانہ نے انہیں دھمکی دی۔

"چلو یار! اسے اس راز میں شریک کر ہی لو۔" محمود نے مجبور ہو کر کہا۔

"اچھا، اسے شروع سے ساری بات بتا دو۔" فاروق بولا۔

"ہوں ——" محمود نے کہا اور شروع سے فرزانہ کو پوری بات بتانے لگا۔ اس نے بوڑھے کے متعلق اور اس کی کہانی کے متعلق سب کچھ بتا دیا —— پھر یہ بھی بتایا کہ بوڑھے کی یہ بات غلط نکلی کہ گھر میں کوئی نہیں ہو گا۔ اس نے بتایا کہ گھر میں کوئی موجود تھا۔ آخر میں محمود اپنے والد کے وہاں پہنچنے کے ذکر کو گول کر گیا —— فاروق اس بات پر دل ہی دل میں خوش ہوا۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ یہ ذکر بھی نہ چھیڑ دے۔

"تو وہ لفافہ اب تمہارے پاس ہے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں۔" محمود نے جواب دیا۔

"مجھے دکھاؤ۔" فرزانہ نے جیسے انہیں حکم دیا۔ دونوں خون کا گھونٹ بھر کر رہ گئے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا، ورنہ وہ فرزانہ کو ایسا مزہ چکھاتے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھتی۔

"کوئی بات نہیں فرزانہ، اس وقت تم ہم پر رعب جما سکتی ہو، لیکن کبھی موقع آیا تو ہم بھی تم سے رعایت نہیں کریں گے۔" محمود نے سرد لہجے میں کہا۔

"نہ کرنا، تم لفافہ دکھاؤ۔" فرزانہ نے لاپروائی سے کہا۔

"بہت اچھا ——" محمود نے منہ بنا کر کہا اور کوٹ کی اندرونی جیب میں سے لفافہ نکال دیا۔

"اسے ابھی تک ہم نے بھی کھول کر نہیں دیکھا، اس لیے لفافہ میں اپنے

ہاتھ سے کھولوں گا۔" محمود نے کہا۔

"اوہ، غلطی کرو گے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟" دونوں نے چونک کر کہا۔

"ہمیں لفافے کو اس طرح کھولنا چاہیے کہ یہ معلوم ہی نہ ہو، لفافے کو کھولا گیا ہے۔" فرزانہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟" محمود نے چونک کر کہا۔

"اگر لفافے کو بھاپ پر رکھا جائے تو گوند لگا ہوا حصہ گیلا ہو جاتا ہے اور اس طرح لفافے کو نقصان پہنچائے بغیر اسے کھولا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم اسے بند کر دیں تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے کھولا گیا ہے۔"

"بہت خوب، چلو تمہارا یہ فائدہ تو ہوا کہ تم نے اتنی اچھی ترکیب بتائی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ رات کے گیارہ بجے بھاپ کہاں سے لائیں۔" محمود نے کہا۔

"تمہارے کمرے میں ہیٹر موجود ہے — پینے کا پانی بھی موجود ہے۔ ہیٹر لگا کر اس پر پانی رکھ دو۔ بھاپ بن جائے گی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بہت خوب، ترکیبیں بتانے میں تمہارا جواب نہیں — اب تو ہم یہی کہیں گے کہ اچھا ہی ہوا، تم بھی اس معاملے میں شامل ہو گئیں۔" فاروق نے فرزانہ کی تعریف کی۔

"میں سب سمجھتی ہوں، اگر میں ابا جان والی دھمکی نہ دیتی تو تم ہرگز نہ بتلاتے۔"

"ارے نہیں، یہ صرف تمہارا خیال ہے، ورنہ اس بات سے ہم دونوں

کو کبھی انکار نہیں رہا کہ ترکیبیں سوچنے میں تمہارا ذہن ہم دونوں کے ذہنوں سے ہمیشہ آگے رہتا ہے۔"

"جیسے فاروق درختوں اور پائپوں پر چڑھنے میں آگے رہتا ہے۔" محمود بولا۔

"بالکل اسی طرح، جس طرح میدان عمل میں کودتے وقت تم ہم سے دو قدم آگے رہتے ہو۔" فاروق نے بھی جلدی سے کہا۔

"آج تمہیں کیا ہو گیا ہے، ایک دوسرے کی تعریف کر رہے ہیں۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں، یہ تو کچھ اچھی بات نہیں۔" فاروق بولا۔

"اچھی بات تو یہ ہے کہ ہم جلد از جلد اس لفافے کو کھول ڈالیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

انھوں نے ہیٹر لگایا اور اس پر پانی رکھ دیا۔ عین اسی وقت انھوں نے موٹر سائیکل رکنے کی آواز سُنی۔ ان کے کان کھڑے ہو گئے۔

"یہ اس وقت کون آیا ہے؟" فرزانہ بولی۔

"شاید ابا جان ہوں گے۔" فاروق کے منہ سے نکلا — دونوں بُری طرح گھبرا گئے تھے۔

"ابا جان! وہ اس وقت کہاں گئے تھے؟" فرزانہ بولی۔

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں — فرزانہ، فوراً ہیٹر بند کر دو۔ پانی اتار کر الگ رکھ دو، ورنہ ابا جان کے ہر سوال کا جواب دینا پڑے گا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، وہ کمرے کی بتی جلی دیکھ کر ادھر ضرور آئیں گے، اس لیے بتی

بھی بند کر دو۔"

"اچھی بات ہے۔"

انھوں نے جلدی جلدی ہیٹر بند کیا، پانی کا برتن اٹھا کر الگ رکھ دیا۔ کمرے کی بتی بند کی اور خاموش بیٹھ گئے — جلد ہی انھوں نے دروازے کی گھنٹی کی آواز سنی، پھر اپنی امی کے دروازے کی طرف جانے کی چاپ سنی۔ دروازہ کھلا اور انھوں نے انسپکٹر جمشید کی آواز سنی:

"محمود اور فاروق کہاں ہیں؟"

ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ آخر ان کے والد نے گھر میں آتے ہی ان کے متعلق کیوں پوچھا — یہ جملہ خطرے کا الارم تھا۔ انھوں نے فرزانہ کو اشارہ کیا۔ وہ پائیں باغ کی کھڑکی کے ذریعے باغ میں کود گئی — محمود اور فاروق جلدی جلدی اپنے بستروں پر لیٹ گئے۔ لحاف اپنے اوپر تان لیے اور آنکھیں بند کر لیں۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں اس بوڑھے کو کوس رہے تھے جس کی وجہ سے یہ دن دیکھنا پڑا تھا۔

"اپنے کمرے میں ہوں گے..... اور کہاں ہوتے۔" بیگم جمشید کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہوں، میں ذرا ایک نظر ان پر ڈال لوں، پھر ہم سونے کے لیے چلیں گے۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے؟" بیگم جمشید نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مختصر جواب دیا۔ اس جواب نے ان کی

پریشانی میں اور اضافہ کر دیا — وہ اپنے والد کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے اور آج انھیں اپنی خیر نظر نہیں آ رہی تھی — اگر انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ مکان نمبر ۴۰۵ میں وہ بھی پہنچ سکتے ہیں تو ہرگز ہرگز ادھر کا رُخ نہ کرتے۔

تینوں نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں کیا تھا، اس لیے وہ ساکت و جامد پڑے رہے۔ کمرے کا دروازہ کھلا — پھر بتی جلائی گئی۔ ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔

چند سیکنڈ تک خاموشی رہی، پھر انھوں نے ان کی آواز سنی:

"میں جانتا ہوں، تم سو نہیں رہے ہو۔ لحافوں سے اپنے منہ نکال لو۔"

معاملہ گڑبڑ

انسپکٹر جمشید کے یہ الفاظ نہ صرف محمود اور فاروق پر بلکہ فرزانہ پر بھی بجلی بن کر گرے۔ وہ پائیں باغ کی کھڑکی سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے سوچا، آج وہ بھی پھنس گئی ہے کیونکہ اس وقت وہ گھر سے باہر موجود ہے۔ دوسری طرف محمود اور فاروق کا بہت برا حال تھا۔ انہوں نے نہ صرف اپنے منہ لحاف سے نکالے بلکہ خود بھی اٹھ کر بیٹھ گئے۔

"خیر تو ہے ابا جان۔ آپ کو کیسے معلوم ہوگیا کہ ہم سو نہیں رہے ہیں؟"

"مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ فرزانہ اس وقت پائیں باغ کی کھڑکی سے لگی کھڑی ہے۔"

وہ بڑے زور سے اچھلے ___ فرزانہ تو دنگ رہ گئی۔

"آجاؤ فرزانہ ___ اب چھپنے کی ضرورت نہیں رہی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ بیگم جمشید کا مارے حیرت کے برا حال تھا۔ آخر انہوں نے کہا۔

"یہ کیا ماجرا ہے ___ یہ تینوں اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"دیکھتی جاؤ، آج یہ پکڑے گئے ہیں۔" وہ بولے۔

فرزانہ اب کمرے میں آچکی تھی اور چور نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے فرزانہ سے کہا اور خود بھی بیٹھ گئے ___ بیگم جمشید فرزانہ کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

"کیا تم آج ساڑھے نو بجے کے قریب گھر سے باہر گئے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے ایک دم سوال کیا اور انہیں اپنی جان نکلتی معلوم ہوئی۔ کچھ دیر تک ان کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکل سکا۔ انہوں نے کبھی اپنے والدین سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" انہوں نے پھر کہا۔

"جی ہاں، گئے تھے۔" آخر محمود نے کہا۔

"وہ لفافہ کہاں ہے؟" انسپکٹر جمشید نے اچانک کہا۔

"جی۔" ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ دل ڈوبنے لگے۔

"تم گھر سے نکل کر شہر کی تیسری سڑک کی پہلی گلی کے مکان نمبر ۵۰ میں گئے تھے۔ اس مکان میں تم درخت کے ذریعے داخل ہوئے تھے۔ پھر تم نے الماری کا تالا کھولا اور اس میں سے لفافہ نکالا ___ لاؤ ___ وہ لفافہ مجھے دے دو۔"

"ابا جان، لفافہ واقعی ہمارے پاس ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جس وقت ہم وہاں موجود تھے تو آپ پہنچ گئے تھے۔ چونکہ کانسٹیبل نے ہمارا پیچھا کیا تھا، اس لیے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ہم درخت کے ذریعے اندر پہنچے تھے کیونکہ ہم نے اپنے جوتے درخت کے نیچے چھوڑ دیے تھے۔ یہاں تک تو سب ٹھیک ہے ___ لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ فرزانہ پائیں

باغ میں کھڑکی سے لگی کھڑی ہے۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"آج شام کو ہی مجھے اور فرزانہ کو تم دونوں پر شک ہو گیا تھا۔ میں جانتا ہوں، فرزانہ نے تمہاری باتیں سننے کی ضرور کوشش کی ہو گی اور اس نے تمہیں جاتے بھی دیکھا ہو گا — پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارے واپس آنے سے پہلے سو جاتی۔ یہ ضرور تمہارے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔ مجھے سب کچھ بتا دینے کی دھمکی دے کر اس نے سارے حالات بھی معلوم کر لیے ہوں گے اور اب تم وہ لفافہ کھولنے کی تیاری کر رہے ہو گے کہ میں آ پہنچا — تم پہلے ہی خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ جب میں نے آ کر تم دونوں کے بارے میں پوچھا تو تمہارے کان کھڑے ہو گئے اور تم نے فرزانہ کو تو باغ میں اتار دیا اور خود بستروں پر لیٹ کر سوتے بن گئے — کیوں، یہی بات ہے نا۔"

"جی ہاں، یہی بات ہے۔" محمود نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم نے اس لفافے کو ابھی کھولا تو نہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں، کھولنے کی تیاری مکمل کر چکے تھے۔" فرزانہ بولی۔

"لفافہ مجھے دو۔"

محمود نے لفافہ انہیں دے دیا — وہ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ ابھی تک انہوں نے کسی قسم کی ناراضی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس سے محمود اور فاروق کو کچھ حوصلہ ہوا — محمود نے کہا:

"لیکن ابا جان، آخر آپ وہاں کیسے پہنچ گئے تھے؟"

"یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا — پہلے تم بتاؤ — تم وہاں کیسے پہنچے

تھے۔ نیشنل پارک میں تمہیں کون ملا تھا؟"

"وہ ایک بوڑھا تھا۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

اور انہوں نے سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ انسپکٹر جمشید یہ کہانی سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئے — آخر بولے:

"عجیب بات ہے — ایک ہی لفافے کے متعلق ایک ہی دن میں دو کہانیاں بیان کی گئی ہیں — لفافے کا تعلق ایک ہی مکان سے ہے۔"

"جی، دو کہانیاں، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، اس لفافے کے متعلق ایک کہانی مجھے بھی سنائی گئی تھی۔ اسی لیے تو میں وہاں پہنچا تھا۔ الام اور ایک کانسٹیبل کو پہلے ہی روانہ کر دیا تھا تاکہ وہ مکان کی نگرانی کرتے رہیں۔"

"آخر وہ کہانی کیا ہے؟" فرزانہ نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"تمہیں سنانا ہی پڑے گی۔" انسپکٹر جمشید بولے اور رؤف خان سے سنی ہوئی داستان انہیں سنا دی۔

"کمال ہے، آخر یہ چکر کیا ہے۔" محمود بولا۔

"میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا۔"

"اچھا یہ بتائیے کہ آپ کو کب معلوم ہوا کہ لفافہ ہم نے چرایا ہے۔"

"جب میں لفافے والے کمرے میں داخل ہوا تھا تو اسی وقت مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تم دونوں غسل خانے میں موجود ہو۔"

"آخر آپ کو کیسے معلوم ہو گیا تھا؟" محمود نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"کمرے میں وہ مخصوص خوشبو پھیلی ہوئی تھی جس کا محمود بہت شوقین ہے اس خوشبو کے ناک میں آتے ہی میں سمجھ گیا کہ کمرے کے غسل خانے میں تم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا — اسی لیے تو میں دوسرے کمروں کی تلاشی کے بہانے کمرے سے نکل گیا تاکہ تم دونوں کو نکل جانے کا موقع مل جائے۔"

"اوہ" ان کے منہ سے نکلا۔

وہ تو سمجھے تھے کہ وہاں سے نکل آنا ان کا ایک کارنامہ ہے۔

"کیا آپ اس لفافے کو نہیں کھولیں گے؟"

"ہاں، ضرور کھولوں گا، لیکن رؤف خان کی کہانی کی روشنی میں ہم اس لفافے کی تحریر پڑھ نہیں سکیں گے — کیونکہ یہ خفیہ زبان میں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

"پھر بھی آپ کھولیں تو سہی۔"

"تم لفافہ کس طرح کھولنے کا ارادہ رکھتے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر پوچھا۔

"بھاپ کے ذریعے۔" فرزانہ بولی۔

"بہت خوب، تو پھر ہیٹر دوبارہ لگا دو۔" انہوں نے کہا۔

بھاپ کے ذریعے لفافہ کھولا گیا، لیکن وہی ہوا جس کا خیال پہلے ہی انسپکٹر جمشید نے پیش کیا تھا۔ لفافے کی تحریر کسی کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ تحریر اگرچہ انگریزی میں تھی لیکن صرف اشاروں میں تھی۔ وہ ان اشاروں سے کوئی مطلب نہ

نکال سکے۔

"ابا جان، آپ نے غصے یا ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔" فاروق نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اس لیے کہ شاید تمہاری اس حرکت کا نتیجہ ملک کے لیے مفید نکلے گا۔"

وہ مسکرائے۔

"اوہ، کیا یہ ملک اور قوم کا مسئلہ ہے؟"

"امید تو یہی ہے۔"

"پھر تو ہم یونہی ڈرتے رہے۔"

"بات قابلِ اعتراض ضرور ہے۔ کسی کے گھر میں اس طرح گھسنا غیر قانونی ہے۔ ویسے یہ کام تم نے پانچ ہزار روپے کے لالچ میں آ کر تو نہیں کیا۔"

"بالکل نہیں ابا جان — ہم پانچ لاکھ روپے کے لالچ میں بھی آنے والے نہیں — ہم تو صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ اس لفافے میں ہے کیا۔" محمود نے جواب دیا۔

"بہت جلد تمہیں یہ معلوم ہو جائے گا — میں کل رؤف خان کے آفیسر درانی صاحب سے ملوں گا۔"

"لیکن ابا جان، ہم کیا کریں گے — کیا ہم کل پارک میں جا کر اس بوڑھے سے ملیں گے؟"

"اس کا جواب میں تمہیں کل دوں گا — کل تم میرے پیغام کا انتظار کرنا — اس سے پہلے نیشنل پارک میں ہرگز نہ جانا۔"

"بہت بہتر ابا جان ۔" دونوں ایک ساتھ بولے ۔

* * *

درانی صاحب محکمۂ خارجہ کے سیکرٹری تھے ـــ انسپکٹر جمشید گیارہ بجے کے قریب اُن کے دفتر کے دروازے پر پہنچ گئے ۔ چپراسی کو انہوں نے اپنا کارڈ دکھایا ـــ وہ کارڈ لے کر اندر چلا گیا ۔ اُسے واپس آنے میں دیر نہ لگی ۔

"تشریف لے جائیے جناب ۔"

وہ اندر داخل ہوئے ـــ درانی صاحب اپنی کرسی پر موجود تھے ۔ ان کے چہرے پر چھوٹی سی داڑھی تھی، آنکھوں پر عینک تھی ـــ ناک ذرا لمبی اور موٹی تھی ـــ سر کے بال بالکل سفید ہو گئے تھے ؛ البتہ داڑھی کے بالوں میں سیاہ بال بھی موجود تھے ـــ وہ انسپکٹر جمشید کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور گرم جوشی سے بولے :

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں آج ملک کے ایک مشہور و معروف آدمی سے ملاقات کا شرف حاصل کر رہا ہوں ۔"

"شکریہ جناب، میں تو ایک بہت ہی معمولی سا آدمی ہوں ۔" انسپکٹر جمشید نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا، پھر بولے :

"میں آپ سے دو ایک باتیں معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں ۔"

"جی ضرور ـــ آپ تشریف رکھیے ۔"

دونوں بیٹھ گئے ـــ انسپکٹر جمشید نے سوال کیا :

"رؤف خان آپ کا ریکارڈ کیپر ہے ۔"

"جی ہاں، کیوں خیریت تو ہے ۔" درانی صاحب نے چونک کر کہا ۔

"کیا آپ نے اسے کوئی نیلا لفافہ دیا تھا، یہ کہہ کر کہ وہ اسے اپنے پاس رکھے ؟"

"جی ہاں ـــ یا اللہ رحم ـــ کہیں وہ لفافہ کھو تو نہیں بیٹھا ۔" درانی صاحب نے بدحواس ہو کر کہا ۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے ـــ آخر اس لفافے میں کیا تھا ؟" انسپکٹر جمشید نے سوال کیا ۔

"وہ لفافہ ایک غیر ملکی جاسوس کے قبضے سے ملا تھا ۔ وہ جاسوس گرفتار ہو گیا تھا، لیکن کچھ بتانے سے پہلے اس نے زہر کی ایک گولی اپنے منہ میں رکھ لی اور مر گیا ۔ ہم نے لفافے کو بھاپ کے ذریعے کھول کر اسے پڑھنے کی کوشش کی، لیکن کوئی بھی اسے نہ پڑھ سکا ۔ آخر ایک تحریروں کے ماہر کو بلانے کا انتظام کیا گیا ۔ اس کے آنے تک میں نے لفافہ رؤف خان کو دے دیا اور چونکہ یہ خاص نوعیت کا تھا، اس لیے میں نے اُسے ہدایت کی تھی کہ وہ اسے اپنے پاس رکھے ـــ دفتر میں سے اس کا اڑا لیا جانا بہت آسان تھا ـــ سچ بات تو یہ ہے کہ جو جاسوس پکڑا گیا تھا، وہ بھی ہمارے محکمے کا ملازم تھا ۔ میں نے سوچا، کوئی اور ملازم بھی غیر ملک کا جاسوس ہو سکتا ہے، اس لیے دفتر میں لفافہ نہ رکھنے کی تاکید کی تھی ـــ اب آپ یہ سنا رہے ہیں کہ رؤف خان لفافے سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے، مگر اسے سب سے پہلے مجھے اکر رپورٹ دینی چاہیے تھی ۔"

"تو کیا وہ اب تک آپ کے سامنے حاضر نہیں ہوا؟" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"جی، جی نہیں تو۔"

"اوہ، تب تو — تب تو معاملہ گڑبڑ ہے۔" انسپکٹر جمشید گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا ہوا؟" درانی صاحب نے بوکھلا کر کہا۔

"وقت نہیں ہے — پھر بتاؤں گا۔"

انہوں نے کہا اور بھاگتے ہوئے باہر نکل آئے۔ پھر اپنی موٹر سائیکل تک پہنچے — اب ان کا رخ رؤف خان کے گھر کی طرف تھا۔ وہ ہوا کی طرح اڑے جا رہے تھے۔

انسپکٹر جمشید کا پروگرام

رؤف خان کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر وہ موٹر سائیکل سے اتر آئے۔ انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبایا اور انتظار کرنے لگے۔ جب دروازہ کھولنے کوئی نہ آیا تو انہوں نے دروازہ دھکیل کر دیکھا — وہ کھلتا چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید بے دھڑک اندر داخل ہو گئے۔ مکان خالی پڑا تھا۔ انہوں نے تمام کمرے دیکھے، پھر چھت پر آئے۔ چھت پر بھی کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ آخر وہ واپس اس کمرے میں آئے جس میں رؤف خان نے سونے کے لیے بستر لگا رکھا تھا۔ انہوں نے اس کمرے کا غور سے جائزہ لیا۔ بستر کی چادر آدھی چارپائی پر تھی اور آدھی فرش پر پڑی تھی۔ ایک پیر کا جوتا چارپائی کے پاس پڑا تھا اور دوسرا جوتا کمرے کے ایک کونے میں نظر آیا۔ رؤف خان کی عینک دروازے کے پاس پڑی تھی اور اس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔

انسپکٹر جمشید کھڑے کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر باہر نکل آئے۔ وہ بہت فکرمند لگ رہے تھے۔ سڑک پر آ کر انہوں نے ایک دوائیوں کی دکان سے درانی صاحب کو فون کیا — سلسلہ جلد ہی مل گیا۔

"ہیلو — درانی صاحب، میں جمشید بول رہا ہوں۔ رؤف خان دفتر میں پہنچا یا نہیں؟"

"جی ابھی نہیں — میں کئی بار چپراسی کو بھیج کر معلوم کرا چکا ہوں۔"

"ہوں اور وہ آئے گا بھی نہیں — کیونکہ وہ اپنے گھر میں بھی موجود نہیں ہے اور گھر کی جو حالت ہے، اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ اسے گھر سے زبردستی اٹھا کر لے جایا گیا ہے، کیونکہ اس کے جوتے اور عینک کمرے میں بے ترتیب حالت میں پڑے ہیں — اگر وہ اپنی مرضی سے گھر سے جاتا تو اپنے جوتے اور عینک ضرور ساتھ لے کر جاتا۔"

"آخر یہ سب کیا ہے؟" درانی صاحب نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ سب چکر اس لفافے کا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا — آخر میں کیا کروں۔" درانی صاحب نے بے بسی کے عالم میں کہا۔

"فکر نہ کریں — میں خود ہی سارے معاملے کو دیکھ لوں گا۔"

انہوں نے سلسلہ بند کر دیا اور اپنے دفتر میں فون کیا۔ دوسرے ہی لمحے اکرام کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو، سب انسپکٹر اکرام پلیز۔"

"اکرام، یہ میں ہوں — فوراً فوٹوگرافی کا عملہ مکان نمبر ۵۰۴ میں بھیج دو جس میں ہم رات گئے تھے۔"

"جی اچھا — کیا ان کے ساتھ میں بھی آؤں؟"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں — بس انہیں چند تصویریں لینی ہیں۔"

"جی اچھا — ابھی بھیجتا ہوں۔"

فون کر کے وہ پھر مکان کے پاس آ گئے اور فوٹوگرافروں کا انتظار کرنے لگے۔ ان کے آنے میں دیر نہ لگی — انسپکٹر جمشید کو اس طرح کھڑے دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئے۔

"آپ یہاں کیوں کھڑے ہو گئے جناب — اندر تشریف رکھتے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اندر کوئی نہیں ہے، اس لیے میں نے باہر ٹھہرنا پسند کیا — اب آئیے اندر — آپ کو ایک کمرے کی چند تصویریں لینی ہیں۔ دروازے، پلنگ اور میز وغیرہ پر سے انگلیوں کے نشانات لینے ہیں۔"

"بہت اچھا جناب — ابھی ہوا جاتا ہے یہ کام۔"

وہ انہیں لے کر اندر آ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں وہ جگہیں دکھائیں جن کے فوٹو لینے تھے اور جب انہوں نے کام شروع کیا تو وہ باہر نکل آئے اور ایک بار پھر اسی میڈیکل سٹور میں داخل ہوئے جس سے پہلے دو فون کر چکے تھے۔ اجازت لے کر انہوں نے بیگم شیرازی کو فون کیا۔ ان کی آواز سنائی دی تو انہوں نے بیگم جمشید کو بلانے کی درخواست کی۔ آخر ان کی آواز سن کر بولے۔

"بچے آئیں تو ان سے کہہ دیں کہ جب تک میں نہ آؤں، وہ کہیں نہ جائیں۔"

"جی اچھا، خیر تو ہے۔" بیگم جمشید نے پوچھا۔

"ہاں، سب خیریت ہے — فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"بہت اچھا، وہ سکول سے آئیں گے تو میں ان سے کہہ دوں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا پھر دکاندار کی طرف
مڑے۔

"جناب، میں نے آپ کے فون سے تین کالیں کی ہیں۔ اس لیے
مہربانی فرما کر آپ ان کالوں کے پیسے لے لیں۔"

معاف کیجیے گا جناب، میں آپ سے پیسے نہیں لوں گا۔ ویسے ہم
عام طور پر کالوں کے پیسے لیتے ہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی، آپ مجھ سے کیوں نہیں لیں گے۔" انسپکٹر جمشید
نے حیران ہو کر کہا۔

"دراصل میں آپ کو پہچانتا ہوں اور آپ سے پیسے لینا میرے لیے
ناممکن ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے پیسے دینے کی بہت کوشش کی لیکن دکاندار نے
ایک نہ مانی۔ آخر وہ اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے رخصت ہوئے۔

* * *

محمود اور فاروق کو اپنے والد کا پیغام مل چکا تھا اور اب وہ ان کا انتظار
کر رہے تھے۔ بوڑھے کو ٹھیک ساڑھے تین بجے پارک میں پہنچنا تھا۔ اس
لیے وہ اس سے پہلے وہاں پہنچ جانا چاہتے تھے۔

"ابا جان نے جو یہ پیغام بھیجا ہے..... تو اس کی ضرور کوئی خاص
وجہ ہو گی۔" فرزانہ کہہ رہی تھی۔

"یہ تو پہلے ہی طے تھا کہ ابا جان ہمیں پارک میں جانے سے پہلے

کوئی ہدایت دیں گے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ....."

فاروق کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے --- اسی وقت دروازے
کی گھنٹی بج اٹھی۔ گھنٹی بجانے کا انداز انسپکٹر جمشید کا تھا۔ فرزانہ دروازے
کی طرف دوڑی گئی۔ دوسرے ہی لمحے وہ انسپکٹر جمشید اور اکرام کے ساتھ اندر
داخل ہوئی۔

"السلام علیکم۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"وعلیکم السلام۔" اکرام اور انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"رؤف خان آج صبح اپنے دفتر نہیں پہنچا۔ وہ اپنے گھر میں بھی
نہیں ملا --- گھر کا جائزہ لینے پر یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اسے زبردستی اٹھا
کر لے جایا گیا ہے۔ ان حالات میں میں نے یہ مناسب سمجھا کہ مکمل حالات
کا جائزہ لیے بغیر تمہیں پارک میں نہ جانے دوں --- اب میں حالات کا جائزہ
لے چکا ہوں اور اس فیصلے پر پہنچا ہوں کہ تم دونوں ٹھیک ساڑھے تین بجے
پارک میں جاؤ گے۔ تمہارے ہاتھ میں وہ لفافہ بھی ہو گا، تم اسے چھپانے
کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"جی بہت اچھا۔" محمود بولا۔

"میں اور تمہارے انکل تم سے تھوڑے فاصلے پر ہوں گے۔ اس لیے
گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ بوڑھا اگر آ جائے تو لفافہ اسے دے دینا اور
پانچ ہزار روپے لے لینا۔"

"جی" وہ حیران رہ گئے۔ "لفافہ اسے دے دیں — یہ آپ کیا کر رہے ہیں"

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں — اس لفافے میں سے وہ کاغذات نکال لیے گئے ہیں اور اس میں اس جیسے دوسرے کاغذات رکھ دیے گئے ہیں جن پر اوٹ پٹانگ تحریر لکھ دی گئی ہے اس لیے لفافہ دینے میں کوئی خطرے کی بات نہیں ہے — ہم دراصل اس بوڑھے کو دیکھنا چاہتے ہیں — اس کا تعاقب کرنے کا بھی ارادہ ہے — حالات عجیب و غریب ہیں"

"رؤف خان کے آفیسر کیا کہتے ہیں؟" فاروق نے پوچھا۔

"ان کا نام درانی صاحب ہے، ان کا کہنا ہے کہ انہوں نے نیلا لفافہ رؤف خان کو دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر میں رکھے کیونکہ جو غیر ملکی جاسوس پکڑا گیا تھا وہ بھی محکمۂ خارجہ میں شامل تھا۔ اس لیے درانی صاحب نے سوچا کہ اور بھی کوئی غیر ملکی جاسوس محکمے میں نہ ہو اور وہ نیلا لفافہ نہ اڑالے۔ رؤف خان لفافے کو گھر لے آیا۔ اس نے اسے الماری میں بند کر کے تالا لگا دیا، لیکن الماری والے کمرے کو تالا لگانے کی ضرورت محسوس نہ کی، یہ عجیب بات ہے — دوسرے اس کے مکان کی چھت پر زینے میں دروازہ نہیں لگا ہوا۔ درخت کی شاخوں کے ذریعے گھر کے اندر آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے۔ ان حالات میں بھی جب ہم رات کو دس بجے وہاں پہنچے تھے تو وہ بے فکری سے سویا ہوا تھا؛ حالانکہ اسے ایک دو دن سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوتا رہا تھا — یہ باتیں تو اپنی جگہ عجیب ہیں ہی..... اوپر سے

آ چکا ہے تمہارا وہ بوڑھا — درانی صاحب کے بیان کے بعد یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ بوڑھے کی کہانی سر سے لے کر پیر تک جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ تھی۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون ہے اور نیلا لفافہ کیوں حاصل کرنا چاہتا ہے؟" انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ سب ان کی بات غور سے سن رہے تھے —

ان کے خاموش ہونے پر محمود نے کہا:

"اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بوڑھا بھی ضرور غیر ملکی جاسوس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس لفافے کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کام کے لیے اس نے ہمیں چنا۔"

"آخر کیوں — یہ کام تو وہ خود بھی کر سکتا تھا — اسے یہ بھی معلوم تھا کہ مکان میں داخل ہونے کا کیا طریقہ ہے اور لفافہ کہاں رکھا ہے؟" اکرام نے اعتراض کیا۔

"ہو سکتا ہے کہ اسے اپنے گرفتار ہونے کا ڈر ہو" فاروق بولا۔

"اگر یہ بات مان لیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رؤف خان کو کس خانے میں فٹ کریں گے — آخر اس نے لفافے کی پروا کیوں نہیں کی؟"

"معاملہ واقعی بہت الجھا ہوا ہے" فرزانہ نے جھنجلا کر کہا۔

"خیر چھوڑو — دماغ خراب نہ کرو۔ جو کچھ ہے، سامنے آ جائے گا" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور چائے پئیں" بیگم جمشید کی آواز آئی۔

وہ ٹرے اٹھائے چلی آ رہی تھیں ـــ سب مسکرا دیے۔
چائے کے بعد محمود اور فاروق لفافہ لے کر پارک کی طرف روانہ ہو گئے۔

بوڑھا آ گیا

ٹھیک ساڑھے تین بجے وہ پارک میں پہنچ گئے اور اسی جگہ گھاس پر بیٹھ گئے۔ لفافہ انہوں نے اپنے پاس ہی گھاس پر رکھ دیا تھا۔ اس کی انہیں پروا بھی کیا تھی ـــ وہ جانتے تھے کہ اس میں اصل کاغذات نہیں ہیں۔ دونوں بظاہر اپنی کتابوں میں مگن تھے، لیکن آج ان کا دل پڑھائی میں بالکل نہیں لگ رہا تھا۔

"کیا خیال ہے، وہ بوڑھا آئے گا؟" محمود نے پوچھا۔

"مشکل ہے، وہ ضرور بھانپ جائے گا کہ اس کے لیے کوئی جال بچھایا جا چکا ہے۔" فاروق بولا۔

"کیوں، وہ کیسے بھانپ جائے گا؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"جو لفافہ ہمیں پانچ ہزار روپے دلانے والا ہے، اسے ہم نے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ حفاظت سے اپنے بستے میں ہی رکھ لیں ـــ بے چارے کو گھاس پر اس طرح رکھ چھوڑا ہے جیسے دو ٹکے کا ہو۔"

"بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو ـــ ہمیں اس لفافے کو چھپا کر اپنے بستے میں رکھنا چاہیے۔" محمود نے چونک کر کہا اور لفافہ اٹھا کر بستے میں رکھ لیا۔

"اگر بوڑھا واپس نہ آیا تو ہم جہاں ہیں وہیں رہ جائیں گے، پھر اس کیس میں شاید کوئی اور بات معلوم نہ ہو سکے۔" فاروق نے کہا۔

"اس کیس میں کوئی جان نہیں رہی۔ معاملہ ٹس ہو کر رہ گیا ہے۔" محمود نے اکتا کر کہا۔

"لیکن اگر بوڑھا آ جاتا ہے تو اس میں ضرور تیزی آ جائے گی۔" فاروق مسکرایا۔

"ویسے یار، کل فرزانہ اور ابا جان نے بھی کمال کر دیا۔ دونوں بہت ذہین ہیں — ہماری چوری اس طرح پکڑ لی جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔"

"ہوں، میں فرزانہ سے اس کا انتقام ضرور لوں گا۔" فاروق نے کہا۔

"شکر کرو، کل ابا جان ناراض نہیں ہوئے، ورنہ کئی دنوں تک ہمارا گھر سے نکلنا بند ہو جاتا۔" محمود مسکرایا۔

"ہاں، پھنسے ہم بہت بُرے تھے۔"

"ارے بھائی، پھنسنے کی کیا بات ہے۔ پھنستے تو ہم ہر کیس میں ہی ہیں۔"

"لیکن ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا ہوگا۔"

"ہوں — ارے ....." محمود کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا ہوا؟ کیا کوئی سانپ نظر آ گیا؟" فاروق بولا۔

"نہیں، پارک میں سانپ کہاں۔" محمود نے بے خیالی میں کہا۔

"جی ہاں، یہاں تو ہاتھی اور گینڈے ہونے چاہئیں۔" فاروق بولا۔

"دراصل میں نے اس بوڑھے کی ایک جھلک دیکھی تھی لیکن اب

وہ مجھے نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"کیا کہا، جھلک دیکھی تھی؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، شاید وہ سرو کے ان پودوں کے پیچھے کہیں چلا آ رہا ہے۔" محمود بولا۔

"اس طرف نہ دیکھو — اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ — خبردار اسے کوئی شک نہ ہونے پائے۔"

"بے فکر رہو۔"

دونوں کتابوں پر جھک گئے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے والد اور سب انسپکٹر اکرام کہیں آس پاس ہی موجود ہوں گے۔ اس لیے انہیں کوئی فکر نہیں تھا۔

"میرا خیال ٹھیک تھا۔ کوئی ہماری طرف آ رہا ہے — اور وہ بوڑھے کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔" محمود بولا۔

"خاموش رہو — میں نے کہا ہے کہ اسے کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے۔"

"بہت بہتر جناب۔" محمود نے اس طرح کہا جیسے اپنے استاد کو جواب دیا ہو۔

"بہت خوب، تم بہت سعادت مند بچے ہو — ضرور اس دنیا میں نام پیدا کرو گے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" فاروق نے بڑے بوڑھوں کی طرح کہا۔

"ابھی کچھ دعائیں اپنے پاس بھی رکھ لینا۔" محمود شوخ انداز میں مسکرایا۔

"لفافہ اسے دینے سے پہلے اس سے پانچ ہزار ضرور وصول کر لینا۔" فاروق نے یاد دلایا۔

"یار، ہم پانچ ہزار کا کریں گے کیا؟" محمود بولا۔

"آدھا آدھا بانٹ لیں گے — اڑھائی ہزار تمہارے اور اڑھائی ہزار میرے — کیونکہ لفافہ چرانے میں ہم نے برابر کام کیا ہے۔" فاروق نے تجویز پیش کی۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ اس طرح فرزانہ کا مارے جلن کے بُرا حال ہو جائے گا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"بالکل ٹھیک، اور ہمارا انتقام بھی پورا ہو جائے گا۔"

"اڑھائی اڑھائی ہزار روپے سے ہم کچھ دنوں تک خوب عیش کریں گے۔"

"بالکل، ابا جان نے رقم وصول کرنے کی اجازت تو دے ہی دی ہے۔" فاروق چہکا۔

"خاموش، وہ نزدیک آ گیا ہے۔" محمود نے ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس نے یہ کب کہا تھا کہ کل جب میں تمہارے نزدیک آ جاؤں تو خاموش ہو جانا۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"میں بھی سوچ رہا تھا کہ آج تم کہیں مذاق کرنا بھول تو نہیں گئے۔ ثابت ہو گیا، تم کھانا کھانا تو بھول سکتے ہو، مذاق کرنا نہیں بھول سکتے۔"

محمود مسکرایا۔

"میں ایک کام اور بھی نہیں بھولوں گا۔" جواب میں فاروق نے بھی مسکرا کر کہا۔

"وہ کیا؟"

"اپنے حصے کے اڑھائی ہزار لینا۔"

"دھت تیرے کی ...."

دونوں خاموش ہو گئے۔ بوڑھا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

٭ ٭ ٭

فرزانہ اور بیگم جمشید ان کے جانے کے بعد بھی میز پر ہی بیٹھے رہے۔ دونوں ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔

"مجھے ڈر ہے کہ تم لوگ اپنی آئندہ زندگی میں کسی کام کے نہیں رہ جاؤ گے۔" بیگم جمشید کہہ رہی تھیں۔

"جی، امی جان — یہ کیا فرمایا آپ نے؟"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" وہ مسکرائیں۔

"کیا آپ کا اشارہ ہم تینوں کی طرف ہے؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا: "یا ہم میں ابا جان بھی شامل ہیں؟"

"میں تم تینوں کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔"

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"تم تینوں تو بس جاسوسی کے ہو کر رہ گئے ہو اور تمہیں کسی چیز کا ہوش

نہیں ۔"

"تو کیا ہوا امی جان، ہم بھی بڑے ہو کر جاسوس بن جائیں گے ۔ آخر ہمارے ابا جان جاسوس ہیں ۔"

"میں یہی سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہوں ۔"

"آپ کو بالکل پریشان نہیں ہونا چاہیے ۔ ہم بڑے ہو کر ضرور کامیاب زندگی گزاریں گے ۔"

اچانک دروازے کی گھنٹی بجی ۔ دونوں چونک اُٹھیں ۔

"ابا جان، محمود اور فاروق تو اتنی جلدی آ نہیں سکتے، ضرور کوئی اور ہے ۔" فرزانہ نے کہا ۔

"ہوں، احتیاط سے دروازہ کھولو بلکہ دروازہ کھولنے سے پہلے معلوم کر لینا کہ کون ہے ؟"

"جی اچھا ۔" فرزانہ نے کہا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف چل پڑی ۔

"کون ہے ؟" دروازے پر پہنچ کر اس نے پوچھا ۔

"جی ڈاکیا ۔" باہر سے کہا گیا اور فرزانہ نے ایک دم دروازہ کھول دیا ۔

وہ دھک سے رہ گئی ۔ دروازے میں ایک آدمی آنکھوں پر عینک لگائے کھڑا تھا ۔ نہ اس کے جسم پر ڈاکیوں والی وردی تھی، نہ ہاتھ میں خط تھے ؛ البتہ اس کے ہاتھ میں ایک پستول ضرور تھا جس کا رخ فرزانہ کی طرف تھا ۔ اس کی ناک لمبی اور موٹی تھی ۔

"میں جانتا ہوں گھر میں اس وقت تمہارے بھائی اور والد نہیں ہیں ۔

اس لیے کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرنا ؛ ورنہ گولی مار دوں گا ۔" اس نے سرد آواز میں کہا ۔

"تم کیا چاہتے ہو ؟" فرزانہ نے پرسکون آواز میں کہا ۔

"نیلے لفافے میں سے جو کاغذات تم نے نکال کر رکھ لیے ہیں، وہ لینے کے لیے آیا ہوں ۔"

"بہت خوب، تمہیں تو ہر بات معلوم ہے ۔ یہ بھی جانتے ہو کہ گھر سے باہر کون ہے اور اندر کون ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ کاغذات یہاں ہیں اور لفافہ پارک میں جا چکا ہے ۔"

"مجھے اس کے علاوہ بھی بہت سی باتیں معلوم ہیں ۔ اگر تم نے لفافہ خاموشی سے میرے حوالے نہ کر دیا تو پچھتاؤ گی ۔" اس نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا ۔

"تم یہیں ٹھہرو ــــ میں ابھی کاغذات لا دیتی ہوں ۔" فرزانہ نے کہا ۔

"مجھے بے وقوف نہ بناؤ ۔" اس نے سخت لہجے میں ڈانٹا ۔

"جی اچھا ۔" فرزانہ سعادت مندی سے بولی ۔

"میں تمہارے ساتھ اندر چلوں گا ۔" اس نے غرا کر کہا ۔

"مہمانوں کے لیے اس گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں ۔" فرزانہ مسکرائی ۔

"کون ہے بیٹی ؟" اندر سے بیگم جمشید نے پوچھا ۔

"ایک مہمان امی، اندر آ رہے ہیں۔"

"مہمان...... لے آؤ بیٹی، ہمارے گھر میں بہت دنوں سے کوئی مہمان نہیں آیا تھا۔" بیگم جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"جی ہاں، لا رہی ہوں امی جان۔" فرزانہ نے کہا۔

جب وہ دونوں صحن میں پہنچے تو بیگم جمشید چونک اٹھیں۔ انہوں نے کہا:

"یہ کس قسم کا مہمان ہے بیٹی، جو پستول ساتھ لایا ہے۔"

"خاموش رہو، مجھے صرف وہ کاغذات چاہییں جو نیلے لفافے سے نکلے ہیں۔"

لادو بیٹی، انہیں وہ کاغذات۔" بیگم جمشید نے مہمان نواز لہجے میں کہا۔

"بہت اچھا امی جان۔ آپ تشریف رکھیے جناب، میں ابھی لا دیتی ہوں۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں، میں تمہارے ساتھ چلوں گا — تم دونوں وہاں چلو جہاں کاغذات رکھے ہیں۔" اس نے غرا کر کہا۔

"بہت اچھا جناب، مہمان کی خوشی کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے — چلو فرزانہ انہیں وہیں لے چلو۔"

"چلیے جناب۔" فرزانہ نے کہا۔

اور دونوں ڈرائنگ روم کی طرف چل پڑے۔ پستول والا ان کے پیچھے

پیچھے آ رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر فرزانہ بولی:

"وہ کاغذات میرے ابا جان کی میز کی دراز میں ہیں۔ ہمارے پاس اس دراز کی چابی نہیں ہے؛ ورنہ خود ہی نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ ہمیں کیا ان کاغذات کا اچار ڈالنا ہے۔"

"کوئی بات نہیں، تم بہت اچھی بچی ہو — میں تالا خود ہی کھول لوں گا۔" اس نے کہا اور بائیں ہاتھ میں پستول پکڑ کر دائیں ہاتھ سے تالا کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنی جیب سے کچھ چابیاں بھی نکالی تھیں، لیکن چند منٹ کی کوشش کے بعد بھی تالا نہ کھلا تو اس نے جھلاہٹ میں پستول کا دستہ تالے پر مارا — دستہ وزنی تھا، تالا کھل گیا —

اس نے دراز باہر کی طرف کھینچی — دراز میں کچھ کاغذات ضرور موجود تھے، لیکن ان کاغذات پر ایک بہت ہی خوبصورت پنسل تراش بھی رکھا ہوا تھا — فرزانہ جانتی تھی کہ جونہی پستول والا پنسل تراش کو اٹھا کر دیکھے گا۔ اس میں سے ایک شعلہ دھماکے سے نکلے گا اور یہ اپنی آنکھوں کو پکڑ کر بیٹھ جائے گا — لیکن ایسا نہیں ہوا — پنسل تراش کو دیکھ کر پستول والا ایک دم پیچھے ہٹ گیا اور بولا:

"لڑکی، اس پنسل تراش کو یہاں سے اٹھا لو۔"

٭ ٭ ٭

"کہو بچو، کیا حال ہے؟" بوڑھے نے مسکرا کر پوچھا۔

"بس ٹھیک ہیں بابا" محمود نے جواب دیا۔

"کیا تم نے میرا کام کیا؟" بوڑھے نے پوچھا۔

"آپ کا کام — کون سا کام بابا، ہم سمجھے نہیں" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا اور محمود اسے گھورنے لگا۔

"ارے تم بھول گئے — اس کا مطلب ہے، تم نے میرا کام نہیں کیا" بوڑھے کی آواز میں مایوسی تھی۔

"لیکن کونسا کام؟ آپ بتایئے توسہی"

"کل میں تمہارے پاس آیا تھا اور تمہیں ایک کام سونپا تھا۔ اس کام کے بدلے میں میں نے تمہیں پانچ ہزار روپے بھی دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن تم دونوں کی تو شاید یادداشت ہی بہت خراب ہے، تمہیں تو یاد ہی نہیں رہا کہ کل میں نے تمہیں کیا کام بتایا تھا" بوڑھے کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور افسوس بھی۔

"آپ یہ بھی تو بتائیں، کام کیا تھا؟" فاروق نے بااخلاق لہجے میں کہا۔

"چھوڑو، اب کیا کام بتانا — جب تم نے کیا ہی نہیں"

بوڑھا تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ فاروق پیچھے سے بولا:

"آپ شاید نیلے لفافے کے متعلق پوچھ رہے ہیں" یہ الفاظ سنتے ہی وہ چونک کر مڑا۔

"کیا کہا تم نے — کیا تم وہ لفافہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو؟"

اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"پہلے آپ یہ بتائیں، پانچ ہزار روپے لائے ہیں" محمود نے کہا۔

"ہاں، لایا ہوں" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت خوب، آپ نے وہ محاورہ تو سنا ہو گا — اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے" محمود مسکرایا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ تم مجھے وہ لفافہ دکھا دو۔ میں تمہیں جیب سے پانچ ہزار روپے نکال کر دکھا دیتا ہوں"

"بہت خوب، یہ رہا لفافہ" محمود نے بستے میں سے لفافہ نکال کر ہوا میں لہرایا۔

"اور یہ رہے پانچ ہزار روپے — اس لفافے میں نوٹوں کی پوری ایک گڈی موجود ہے۔ یہ پورے پانچ ہزار ہیں"

"نوٹوں والا لفافہ میرے ساتھی کو دے دو" محمود نے کہا۔

بوڑھے نے نوٹوں والا لفافہ فاروق کو دے دیا۔ اس نے لفافے کا منہ کھول کر دیکھا، اندر نوٹوں کی گڈی موجود تھی۔

"ٹھیک ہے محمود، نیلا لفافہ اسے دے دو" اس نے کہا۔

محمود سے لفافہ لیتے ہی وہ تیزی سے پارک کے دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر جوں ہی وہ دروازے سے نکلنے لگا، انسپکٹر جمشید اور سب انسپکٹر اکرام اور تین کانسٹیبل اس کے سامنے آ گئے۔

"تم اتنی آسانی سے نہیں جا سکتے"

گولی کا دھماکا

"شاید تمہیں یہ پنسل تراش اچھا نہیں لگا" فرزانہ نے مسکرا کر کہا اور پنسل تراش اٹھا کر جیب میں ڈال لیا — ان کا یہ ہتھیار بے کار ہو گیا تھا — پستول والا شاید ضرورت سے زیادہ چالاک تھا۔

"شکریہ بے بی، تم بہت اچھی بچی ہو — اس نے کہا اور کاغذات میز کی دراز سے نکال لیے — چند سیکنڈ کے لیے انہیں الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا، پھر جانے کے لیے مڑا۔

"چائے پی کر نہیں جائیے گا" فرزانہ نے پیچھے سے کہا۔

"شکریہ، میں چائے کا شوقین نہیں" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تو پھر شربت پی لیں" فرزانہ بھی اس کا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی۔

پستول والے نے ایک بار مڑ کر اسے بُری طرح گھورا اور سر کو زور سے جھٹک کر دروازے کی طرف چلا گیا —

"یہ تو بہت بُرا ہوا بیٹی، مہمان کچھ کھائے پیے بغیر جا رہا ہے"

"کیا کیا جائے امی جان" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

پستول والے نے دروازے پر پہنچ کر اسے کھولنے کی کوشش کی لیکن

دروازہ نہ کھلا — اس نے بار بار کوشش کی لیکن دروازہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا — آخر وہ پلٹا — فرزانہ اور بیگم جمشید دوبارہ ناشتے کی میز پر واپس آ چکے تھے۔ اسے واپس آتے دیکھ کر فرزانہ بولی:

"شاید مہمان کو ہمارا خیال آ گیا — چائے بنایئے امی"

"یہ دروازہ کیسے کھلے گا — اس نے جھنجلا کر کہا۔

"کونسا دروازہ؟" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"باہر کا دروازہ" اس نے چلا کر کہا۔

"ارے، کیا وہ بند ہو گیا ہے — میں تنگ آ گئی ہوں — کتنی مرتبہ ابا جان سے کہہ چکی ہوں کہ اس کی مرمت کرا دیں۔ کم بخت وقت بے وقت بند ہو جاتا ہے اور اس وقت تک نہیں کھلتا جب تک باہر سے اُسے نہ دھکیلا جائے" فرزانہ نے چہک کر کہا۔

"میں کہتا ہوں، اسے کھولو چل کر"

"بتایا تو ہے کہ اس وقت تک نہیں کھلے گا جب تک باہر سے دو آدمی زور نہ لگائیں"

"تم یوں نہیں مانو گی" — پستول والے نے غصے میں آ کر کہا اور آگے بڑھ کر فرزانہ کے بال پکڑ لیے —

چلو کھولو دروازہ"

وہ اسے گھسیٹتا ہوا دروازے کی طرف لے جانے لگا — بیگم جمشید بے تاب ہو گئیں — انہیں اور تو کچھ نہ سوجھا۔ سٹین لیس سٹیل کی چائے

دانی اٹھائی اور پورے زور سے اس کے سر پر دے ماری — ایک تو چائے دانی کی چوٹ اور دوسرے اس میں سے گرم گرم چائے بھی نکل کر اس پر گری - اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی — فرزانہ کے بال اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے - وہ جھلا کر بیگم جمشید کی طرف مڑا — بیگم جمشید گھبرا گئیں - انہوں نے کب لڑائی بھڑائی کے کاموں میں حصہ لیا تھا — خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹیں - پیچھے سے فرزانہ زور سے اچھلی اور سر کی ٹکر اس کی کمر پر رسید کر دی — وہ لڑکھڑایا ضرور مگر گرا نہیں — یہ دیکھ کر فرزانہ نے اپنے دونوں بازو کمر کی طرف سے اس کی گردن میں ڈال دیئے اور لٹک گئی - پستول والے کا پستول تو پہلے ہی ہاتھ سے اس وقت نکل گیا تھا جب چائے دانی اس کے سر پر پڑی تھی — یہ دوسری مصیبت اس پر نازل ہوئی — وہ بوکھلا گیا - فرزانہ کے بازوؤں کے دباؤ سے اس کا گلا گھٹنے لگا - اس نے اپنے دونوں بازو چھڑانے کے لیے پورا زور لگایا لیکن ناکام رہا — آخر اس نے تیزی سے چکر کاٹنا شروع کیا - فرزانہ اس کے ساتھ ساتھ جھولنے لگی - بیگم جمشید نے ادھر ادھر دیکھا — آخر انہیں محمود اور فاروق کی ہاکیوں کا خیال آ گیا - وہ ان کے کمرے کی طرف دوڑیں اور ایک ہاکی اٹھا لائیں، لیکن پھر فوراً ہی ان کی نظر پستول پر پڑی - وہ میز کے نیچے پڑا تھا — فرزانہ ابھی تک اس کی گردن سے لٹکی جھول رہی تھی — انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — پستول اٹھا لیا اور اس کے ٹریگر پر انگلی رکھتے ہوئے بولیں :

"خبردار سیدھے کھڑے ہو جاؤ - فرزانہ اسے چھوڑ دو - میں نے اسے

مہمان سمجھ کر اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا لیکن اس نے ہمارے ساتھ برا سلوک کیا - اب ہم اسے ہرگز معاف نہیں کریں گے"

پستول والے نے رک کر ان کی طرف دیکھا — اسی وقت فرزانہ نے اپنے بازو اس کی گردن پر سے ہٹا لیے - اس کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے -

"ہمارے کاغذات ہمیں لوٹا دو — تم مہمان نوازی کے قابل نہیں ہو"

فرزانہ نے برا سا منہ بنا کر کہا -

وہ جوں کا توں کھڑا رہا — اس نے کاغذات نکالنے کے لیے جیب کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے -

"یہ نہ سمجھنا، ہمیں پستول چلانا نہیں آتا ہوگا — ہم اس کام میں بہت ماہر ہیں"

"میں جانتا ہوں، تمہیں پستول چلانا نہیں آتا"

"یہ بات ہے تو یہ دیکھو —"

یہ کہہ کر بیگم جمشید نے ایک فائر کر دیا — گولی اس کے سر پر سے گزرتی دیوار سے جا ٹکرائی — اس کے ہوش اڑ گئے - فوراً اس نے جیب سے کاغذات نکالے اور زمین پر پھینک دیے — پھر جونہی فرزانہ کاغذات اٹھانے کے لیے نیچے جھکی، بیگم جمشید کی توجہ بھی ادھر ہی ہو گئی اور پستول والے کو موقع مل گیا — وہ ان پر جھپٹ پڑا اور پستول والا ہاتھ پکڑ کر سر سے اوپر اٹھا دیا — پھر پستول ان کے ہاتھ سے چھین لیا -

"اب تم دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دو"

انہوں نے بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

* * *

بوڑھا بوکھلا گیا۔ اس نے ادھر ادھر سے بھاگ نکلنے کا جائزہ لیا مگر وہ پوری طرح گھر چکا تھا۔ آخر اس نے دلیر ہو کر کہا:

"کیا بات ہے، آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کیا کیا ہے؟"

"ہم تم پر غیر ملکی جاسوس ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ تمہاری جیب میں نیلے رنگ کا ایک لفافہ ہے جو وزیر خارجہ کے سیکرٹری درانی صاحب نے اپنے ریکارڈ کیپر کے حوالے کیا تھا، وہ تمہاری جیب میں موجود ہے ـــ چپ چاپ لفافہ ہمارے حوالے کر دو اور خود کو بھی قانون کے حوالے کر دو اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو انجام خوفناک ہوگا۔"

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ میرے پاس اس قسم کا کوئی لفافہ ہے۔ تم میری تلاشی نہیں لے سکتے۔ کیا تمہارے پاس تلاشی کے وارنٹ موجود ہیں؟" بوڑھے نے کہا۔

"وہ دیکھو ـــ دو وارنٹ چلے آرہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی کمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بوڑھے نے مڑ کر دیکھا ـــ فاروق اور محمود چلے آرہے تھے۔ وہ گھبرا گیا اور اچانک چھلانگ مار کر بھاگ کھڑا ہوا ـــ کانسٹیبل بھڑک کر اس کے پیچھے بھاگے۔

"اسے جان سے مت مارنا ـــ زندہ گرفتار کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید

چلائے۔

انسپکٹر جمشید اور سب انسپکٹر اکرام انہیں نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھتے رہے۔ اتنے میں محمود اور فاروق ان کے پاس پہنچ گئے۔

"یہ کیا ہوا ابا جان!" محمود کے منہ سے نکلا۔

"فکر نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟ فکر نہ کریں ـــ دشمن ہمارے قبضے سے بھاگ نکلا ہے اور آپ فرما رہے ہیں، فکر نہ کریں۔"

"ہاں فکر نہ کرو، کھیلو کودو، عیش کرو۔" وہ بدستور مسکرا رہے تھے۔

"آپ تو اس طرح فرما رہے ہیں جیسے دشمن آپ کی مٹھی میں آگیا ہو۔"

"مٹھی میں ہی تو آگیا ہے۔" وہ بولے۔

"کیا آپ کا خیال ہے، کانسٹیبل اسے پکڑ لیں گے؟" محمود نے پوچھا۔

"نہیں، وہ انہیں جُل دے کر نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔" انہوں نے کہا۔

"اور اس پر بھی آپ کہہ رہے ہیں کہ دشمن آپ کی مٹھی میں آگیا ہے۔"

"ہاں، بالکل ـــ تم سناؤ وہ پانچ ہزار کہاں ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی، یہ رہے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور نوٹوں کا لفافہ انہیں تھما دیا۔

انسپکٹر جمشید نے نوٹوں پر ایک نظر ڈالی اور ہنسنے لگے۔

"نقلی ہوں گے۔" اکرام نے کہا۔

"ہاں، مجھے پہلے ہی یقین تھا۔ ہم نے بھی تو لفافے میں جعلی کاغذات
رکھے ہیں۔" فاروق بولا۔

"اب ہمیں گھر پہنچ جانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیوں، کیا وہاں بھی کسی گڑبڑ کا امکان ہے؟"

"امکان ہی نہیں، یقین بھی ہے کہ وہاں بھی ضرور گڑبڑ ہو گی۔"

"اوہ، یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ بہت اطمینان سے بیٹھ کر بتاؤں گا۔ اس پورے کیس میں ذہنوں
سے جنگ لڑی گئی ہے، لیکن جس نے اس جنگ کی ابتدا کی تھی، اسے تو معلوم
تھا کہ وہ ذہنی جنگ لڑ رہا ہے، ہمیں معلوم نہیں تھا، اس لیے مجھے اس
نتیجے پر پہنچنے میں ذرا دیر لگی — لیکن اب میں دشمن کی چال کو سمجھ گیا ہوں
اور اب وہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"آپ نے گھر میں گڑبڑ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہاں کیا بات ہو
سکتی ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"وہاں کوئی اصل کاغذات حاصل کرنے گیا ہو گا۔"

"تو کیا وہ اصل کاغذات لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہو گا۔" محمود
نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں، میں آتے ہوئے اپنی طرف سے انتظام کر آیا تھا۔"

"یعنی آپ فرزانہ کو بتا آئے تھے کہ کوئی کاغذات حاصل کرنے آئے
گا۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"غلط سمجھے، میں نے فرزانہ یا تمہاری امی کو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن میز کی
دراز میں میں نے جو کاغذات رکھے تھے وہ بھی نقلی تھے۔ اصل کاغذات تو
دراصل اس وقت بھی میرے پاس ہیں۔"

"اوہ۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"اب اگر وہاں پہنچنے والا نقلی کاغذات لے جانے میں کامیاب بھی ہو
جائے تب بھی کوئی بات نہیں۔"

"کیا آپ یہی چاہتے ہیں کہ وہ بھی فرار ہو جائے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑے گا — وہ گرفتار ہو جائے یا فرار ہو جائے، دشمن
کے گرد میرا جال مکمل ہوتا جا رہا ہے۔ انھوں نے جو چال آزمانے کی کوشش
کی تھی، وہی میں نے ان پر آزما ڈالی ہے۔"

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔" محمود نے کہا۔

"گھر چل کر بتاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو پھر چلیے۔" فاروق بولا۔

"ہم کانسٹیبلوں کا تو انتظار کر لیں۔" محمود نے کہا۔

"نہیں، جب وہ یہاں واپس آئیں گے تو ہمیں نہ پا کر خود ہی گھر آ
جائیں گے۔"

"اور اگر انھوں نے بوڑھے کو پکڑ لیا؟" فاروق نے پوچھا۔

"بوڑھا ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"ہوں — تو پھر چلیے۔"

اور وہ گھر کی طرف چل پڑے - جوں ہی وہ دروازے پر پہنچے، انھوں نے دھماکے کی آواز سُنی ۔

ان کی کہانی

"مہمان نوازی تو تمہیں بہت اچھی آتی ہے - جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔" پستول والے نے مسکرا کر کہا۔

"جیسا مہمان، ویسی مہمان نوازی — ہم نے تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی — تم مانے ہی نہیں۔" بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اب باتیں بند، چلو لڑکی — تم دروازہ کھولو؛ ورنہ میں بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"امی پلیز، دروازہ آپ کھول دیں - مجھ سے تو کھلے گا نہیں۔" فرزانہ نے درخواست کی ۔

"اچھا بیٹی۔" بیگم جمشید بولیں اور پھر پستول والے سے کہا:

"آؤ میرے ساتھ۔"

"تم بھی ساتھ چلو۔" اس نے فرزانہ سے کہا۔

"میرے پاؤں میں درد ہو رہا ہے — شاید موچ آگئی ہے، اس لیے میں تو نہیں جا سکوں گی ۔ تم سے جو ہو سکے کر لو۔" فرزانہ نے جھنجلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے — کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کرنا؛ ورنہ گولی مار دوں گا۔"

اس نے کہا اور بیگم جمشید کے پیچھے چلنے لگا - فرزانہ نے آواز پیدا کیے بغیر وہ ناکی اٹھالی جو اس کی والدہ کمرے میں سے لائی تھیں - بس پھر کیا تھا، ناکی اٹھاتے ہی وہ بلی کی طرح اچھلی اور ناکی سے پستول والے کے سر پر ایک زوردار چوٹ لگائی -- فوراً ہی وہ دھم سے گرا اور اس کے ساتھ ہی پستول چل گیا لیکن گولی فرش پر لگی -

چند لمحے کے لیے دونوں ساکت و جامد رہ گئے کہ کہیں گولی اس کے نہ لگ گئی ہو لیکن پھر فرش پر خون نہ پا کر انہیں حوصلہ ہوا - ابھی وہ کھڑے سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا کریں کہ عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی - انداز انسپکٹر جمشید کا تھا --- دونوں خوش ہو گئیں اور دروازے کی طرف لپکیں - دروازہ کھولتے ہی انہیں انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور اکرام کی شکلیں دکھائی دیں -

"کیا تم دونوں اندر نشانہ بازی کی مشق کر رہی تھیں؟" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا -

"نہیں ابا جان، گھر میں ایک مہمان آئے تھے، وہ نیلے لفافے والے کاغذات حاصل کرنا چاہتے تھے" فرزانہ نے بتایا -

"اوہ، تو کیا وہ کاغذات لے گیا؟"

"جی نہیں، اندر بے ہوش پڑا ہے" فرزانہ نے بتایا -

"اور یہ فائر کس نے کیا تھا؟" اکرام نے حیران ہو کر پوچھا -

"اسی نے ...... فرش پر غصہ اتارا تھا" فرزانہ مسکرائی -

"اوہ، تو یہ بات ہے --- کیا اس نے میز کی دراز میں سے وہ

کاغذات حاصل کر لیے تھے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا -

"جی ہاں" فرزانہ بولی -

"کیا مطلب! کیا پنسل تراش خالی گیا!"

"جی نہیں، وہ شاید ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا - اس نے پنسل تراش کو ہاتھ بھی نہیں لگایا"

"بہت خوب، تمہاری اس بات نے میری بہت بڑی الجھن دور کر دی" انسپکٹر جمشید خوش ہو کر بولے -

"جی کیا مطلب! بھلا اس بات میں کیا خاص بات ہے کہ آپ کی الجھن دور ہو گئی ہے" محمود نے حیران ہو کر کہا -

"ہے --- میں نے پہلے ہی تم لوگوں کو بتایا ہے کہ یہ کیس صرف ذہنی جنگ کی حیثیت رکھتا ہے --- دشمنوں نے اپنے دماغ کے ذریعے مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی ہے --- میں اگرچہ ان کی چال کو ذرا دیر سے سمجھا ہوں؛ تاہم انہیں منہ توڑ جواب دینے میں کامیاب ہو گیا ہوں - میں یہ سب کچھ تمہیں اطمینان سے بیٹھ کر بتاؤں گا"

"اس کا کیا کرنا ہے جو اندر بے ہوش پڑا ہے" محمود نے پوچھا -

"جب تم اسے دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے --- بس یہ کیس ابھی ختم ہو جائے گا" انسپکٹر جمشید بولے -

پھر وہ سب اندر آئے - صحن میں آکر فرزانہ اور بیگم جمشید بھونچکی رہ گئیں ---

"کیا بات ..... خیر تو ہے؟" اکرام نے پوچھا۔

"وہ — وہ — یہیں پڑا تھا —" فرزانہ نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"کیا — تو — وہ کہاں چلا گیا —" فاروق چلایا۔

"نکل گیا — اب ہاتھ نہیں آئے گا" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی، کیا مطلب؟"

"اگر وہ پنسل تراش کی خصوصیت سے واقف تھا تو یہ بھی ضرور جانتا تھا کہ تمہارے کمرے میں جو کھڑکی ہے، وہ پائیں باغ میں کھلتی ہے اور اس کے ذریعے مکان سے باہر نکلا جا سکتا ہے۔ وہ ہاکی کی چوٹ سے بے ہوش ضرور ہو گیا تھا لیکن چند لمحوں کے لیے — پھر جونہی اسے ہوش آیا، اس نے دروازے کی طرف سے آنے والی ہماری آوازیں سنیں اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے کھڑکی کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو اور وہ نکل بھاگنے کے چکر میں ادھر نکل گیا ہو — کیونکہ اس سے پہلے وہ دروازہ کھلوانے کے لیے فرزانہ پر گرج برس رہا تھا — میرا خیال ہے یہی بات ہو گی۔"

"کم از کم ہمیں پورے مکان پر ایک نظر ڈال تو لینی چاہیے۔" اکرام نے کہا۔

"ضرور، ایک کیا تم دس بار نظر ڈال سکتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

انھوں نے سارا گھر چھان مارا — لیکن پستول والے کا کہیں پتا نہ چلا؛

البتہ پائیں باغ میں کھلنے والی کھڑکی ضرور کھلی ہوئی تھی۔

آخر وہ سب ڈرائنگ روم میں جمع ہوئے — اسی وقت ایک بار پھر دروازے کی گھنٹی بجی۔

* * *

"اب کون آ گیا ہے؟" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو، یہ کانسٹیبل ہوں گے —" انسپکٹر جمشید مسکرائے پھر محمود سے بولے:

"دروازہ کھول دو۔"

ان کا خیال درست تھا — یہ وہی کانسٹیبل تھے جو بوڑھے کے پیچھے بھاگے تھے۔ انھوں نے آتے ہی کہا:

"ہم بہت شرمندہ ہیں جناب — بوڑھا بہت چالاک نکلا، ہم اسے نہیں پکڑ سکے۔"

"کوئی بات نہیں، میں بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ بچ کر نکل جائے —" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی!" کانسٹیبل حیران رہ گئے۔

"ہاں، اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ جناب۔"

ان کے جانے کے بعد وہ سب آرام سے بیٹھ گئے۔ بیگم جمشید باورچی خانے میں چلی گئیں، کیونکہ انھیں ان جھنجھٹوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"اب آپ تفصیل سے بتائیں، آخر یہ چکر کیا ہے؟" اکرام نے کہا۔

"ہاں، حضور — اس وقت تک کی تحقیقات سے میں نے جو نتیجہ نکالا ہے، اس کی روشنی میں حالات بتاتا ہوں — ایک غیر ملکی جاسوس نے یہ نیلا لفافہ ملک سے باہر بھیجا تھا۔ اسے لے جانے والا سرحد پار کرتے ہوئے پکڑا گیا — لفافہ اس کے قبضے سے برآمد کر لیا تھا۔ جب معلومات حاصل کرنے کے لیے اس پر سختی کی گئی تو اس نے زہر کی گولی منہ میں رکھ لی اور مر گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سزائے موت تو اسے ویسے بھی ملے گی۔ غیر ملکی جاسوس کو جرم ثابت ہونے پر سزائے موت دی جاتی ہے۔ اس کے مرنے کے بعد اس لفافے کو محکمۂ خارجہ کے سیکرٹری درانی صاحب کے حوالے کر دیا گیا کیونکہ یہ معاملہ ان کے محکمے کا تھا۔ درانی صاحب کو دینے سے پہلے وزیر خارجہ نے اس لفافے کے اندر رکھے ہوئے کاغذات کی تحریر پڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ناکام رہے کیونکہ تحریر خفیہ زبان میں تھی۔ انھوں نے دو تین ماہروں کی ڈیوٹی لگائی لیکن وہ بھی نہ پڑھ سکے۔ آخر انھوں نے ایک غیر ملکی ماہر کو بلانے کا انتظام کیا اور اس کے آنے تک لفافہ درانی صاحب کے حوالے کر دیا — درانی صاحب نے اپنے ریکارڈ کیپر کو لفافہ سونپ کر کہا کہ وہ اسے اپنے گھر میں رکھے۔ رؤف خان نے لفافہ گھر لے جا کر ایک کمرے کی الماری میں رکھ دیا۔

اب کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ رؤف خان میرے پاس آتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس طرح اسے ایک لفافہ دیا گیا ہے۔ اس دن سے کوئی اس کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے اور عام طور پر دس بجے

کے قریب داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ میں نے اکرام کو ہدایت کر دی کہ مکان کی نگرانی کی جائے اور رؤف خان سے وعدہ کیا کہ خود بھی آ کر جائزہ لوں گا —

دوسری طرف اسی شام محمود اور فاروق سے باغ میں ایک عجیب و غریب بوڑھا ملاقات کرتا ہے۔ اس نے ان کے ذمے ایک کام لگایا کہ اگر وہ رؤف خان کے گھر سے اسے نیلا لفافہ اڑا کر لا دیں تو وہ پانچ ہزار روپے دے گا، لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس مکان میں رؤف خان رہتا ہے، بلکہ اس نے ایک اور ہی کہانی سنائی۔ اس نے بتایا کہ وہ اور اس کا دوست جیب کترے تھے۔ انھوں نے اس کام سے توبہ کر لی اور ایک تحریری معاہدہ کیا کہ آئندہ جیب کاٹنے کا کام نہیں کریں گے اور اگر کسی ایک نے پھر یہ کام کیا تو دوسرا پولیس میں اطلاع دے دے گا، لیکن دوسرا دوست مر گیا اور معاہدہ جو نیلے لفافے میں ہے، وہ اس مرنے والے کے گھر رہ گیا ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس کے گھر والے لفافہ پولیس کے حوالے نہ کر دیں۔ اس لیے وہ اس لفافے کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بوڑھے نے محمود اور فاروق کو یہ بھی بتایا کہ کل رات دس بجے مکان میں کوئی نہیں ہو گا۔ اس لیے لفافہ آسانی سے چرایا جا سکے گا — یہ بات بعد میں ثابت ہو گئی کہ بوڑھے کی کہانی سفید جھوٹ کے سوا کچھ نہ تھی۔ محمود اور فاروق نے یہ کام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ وہاں پہنچ گئے۔ درخت کے ذریعے پہلے اوپر چڑھے اور پھر زینہ طے کر کے نیچے آئے۔ یہ بھی خاص بات ہے کہ زینے میں دروازہ نہیں ہے، نہ ہی اس کمرے کے

دروازے پر تالا لگا یا گیا جس کی الماری میں نیلا لفافہ رکھا تھا ۔۔۔ خیر محمود اور فاروق
وہاں پہنچ گئے ۔۔۔ عین اسی وقت اتفاق سے میں بھی وہاں چلا گیا ۔۔۔ رؤف خان
یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میں وہاں پہنچ جاؤں گا ۔۔۔ خیر میں نے بھانپ لیا
کہ کمرے میں محمود اور فاروق موجود ہیں ۔ اس لیے میں نے انہیں نکل جانے کا
موقع دیا ۔ دوسرے دن میں محکمہ خارجہ کے سیکرٹری درانی صاحب سے ملا ۔ ان
سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ اس نے لفافہ واقعی رؤف خان کو دیا تھا ۔۔۔
اس طرح کم از کم یہ بات ثابت ہوگئی کہ بوڑھے کا بیان بالکل غلط تھا ۔ اب
میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بوڑھا کون ہے ، وہ کیا چاہتا ہے ۔ اس لیے میں
نے محمود اور فاروق کو نیلے لفافے میں نقلی کاغذات رکھ کر پارک میں بھیجا ۔
بوڑھے کو نزدیک سے دیکھا ۔ دوسری طرف مجھے یقین تھا کہ کوئی گھر میں بھی
کاغذات حاصل کرنے آئے گا ۔ اس لیے میں نے میز کی دراز میں بھی نقلی
کاغذات رکھ دیے اور یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ وہ بھی نکل گیا ۔ دراصل میں ان دونوں
کو ایک ساتھ پکڑنے کا پروگرام بنا چکا ہوں ۔۔۔ بوڑھے نے اور اس پستول
والے نے لفافہ اڑانے کے لیے مجھے جال میں پھانسنے کا پروگرام بنایا تھا ۔
وہ محمود اور فاروق سے بخوبی واقف ہیں ۔ انہوں نے پروگرام بنایا تھا کہ پہلے
محمود اور فاروق کے ذریعے لفافہ رؤف خان کے گھر سے غائب کرادیں گے ،
پھر اگر وہ پارک میں لے کر آئے تو ان سے حاصل کرلیں گے ۔ پارک میں لے
کر یہ نہ گئے تو گھر میں گھس کر حاصل کرلیں گے ۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہوگئے اور ان کی طرف دیکھنے لگے ۔

"آپ نے اگرچہ پوری تفصیل سے حالات بیان کیے ہیں ، لیکن کچھ باتیں
ابھی تک ذہن میں صاف نہیں ہوسکیں ۔ میرا خیال ہے آپ نے کچھ باتیں
جان بوجھ کر چھپالی ہیں ۔" محمود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا ۔

"تمہارا خیال ٹھیک ہے ۔ چند باتیں میں نے جان بوجھ کر چھپالی ہیں ۔۔۔
ابھی ان کے بتانے کا وقت نہیں آیا ۔۔۔ یہ باتیں میں دونوں مجرموں کو گرفتار
کرکے ان کے سامنے بتاؤں گا اور اس وقت سب کچھ تمہارے ذہن میں
آئینے کی طرح صاف ہوجائے گا ۔" انہوں نے کہا ۔

"اور وہ وقت کب آئے گا ؟"

"آج ہی رات ۔۔۔ دونوں لفافہ حاصل کرنے آج رات کو ضرور یہاں
آئیں گے ۔۔۔ اس لفافے نے تو ان کی راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے ۔۔۔ وہ
اسے جلد از جلد حاصل کرلینا چاہتے ہیں ۔"

"اوہ ۔" ان کے منہ سے نکلا ۔

"اکرام ، اگر تم جانا چاہو تو جاسکتے ہو ۔ رات کو دس بجے کے قریب
آجانا ۔۔۔ یہاں ایک دلچسپ ڈراما ہوگا ۔"

"میں ضرور حاضر ہوجاؤں گا ۔ کیا کچھ کانسٹیبل لانے کی ضرورت ہے ؟"

"ہرگز نہیں ، دشمنوں کو کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے ۔ ضرورت پڑی
تو بعد میں بلالیں گے ۔"

"جی بہت اچھا ۔" اکرام اٹھ کھڑا ہوا ۔

محمود ، فاروق اور فرزانہ نے اپنی گھڑیوں کی طرف دیکھا ۔ ابھی صرف شام

کے چھ بجے تھے — دس بجنے میں چار گھنٹے باقی تھے — انہوں نے سوچا، یہ چار گھنٹے کس طرح گزریں گے۔ ان پر بے چینی کی ایک عجیب سی حالت طاری ہو چکی تھی۔

گھنٹی بجتی ہے

رات تاریک تھی۔ سردی زوروں پر تھی۔ ایسے میں محمود، فاروق اور فرزانہ پائیں باغ والے کمرے میں ہیٹر لگائے بیٹھے تھے۔ انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید اپنے کمرے میں تھے۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں بے فکر ہو کر وقت گزارنے کے لیے کہا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے کوئی ہدایت بھی نہیں دی تھی۔ گھر کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ان کی کھڑکی بھی بند تھی اور وہ دس بجنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ابا جان کا اندازہ غلط نکلے اور دشمن آج نہ آئے۔" محمود کہہ رہا تھا۔

"ہاں ہو تو سکتا ہے لیکن آج تک ان کے اندازے زیادہ تر درست ہی ثابت ہوئے ہیں۔" فاروق بولا۔

"میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ آخر مجرم کون ہے۔ وہ بوڑھا کون ہے۔ پستول والا کون تھا — ابا جان نے ہمیں نامکمل کہانی کیوں سنائی — آخر وہ کیا بات ہے جو انہوں نے ہم سے چھپائی ہے۔"

"اتنی بہت سی باتیں ایک ساتھ سوچ رہی ہو تو پھر تو تم پہنچ چکیں کسی نتیجے پر۔" فاروق مسکرایا۔

"میں تمہاری طرح کند ذہن نہیں ہوں۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"یہ میرے لیے ایک نئی اطلاع ہے کہ میں کند ذہن ہوں۔" فاروق نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک طرف تو ابا جان دشمنوں کا انتظار کر رہے ہیں، دوسری طرف گھر کے دروازے بند ہیں — آخر وہ کس طرح اندر داخل ہوں گے۔" محمود نے ان کی باتوں پر دھیان دیے بغیر کہا۔

"اگر دروازہ کھلا چھوڑیں گے تو انہیں شک ہو جائے گا کہ کہیں وہ کسی جال میں تو نہیں پھنسنے والے، رہی بات اندر داخل ہونے کی — تو یہ دشمن جانیں اور ابا جان جانیں — ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ اندر داخل ہو جائیں گے۔" فاروق بولا۔

"ابھی انکل اکرام کو بھی تو آنا ہے۔" فرزانہ نے جیسے انہیں یاد دلایا۔

"ارے ہاں، انہیں تو ہم بھول ہی گئے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"وہ بھی دس بجے کے قریب آئیں گے اور دشمن بھی — کہیں وہ ایک ساتھ نہ آ جائیں۔" فاروق نے کہا اور دونوں مسکرانے لگے۔

"ویسے رہے گا یہ بھی خوب۔" فرزانہ نے کہا۔

"میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے۔" اچانک محمود نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہارے ذہن میں دو باتیں نہیں آئیں۔" فاروق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"مذاق نہیں — اگر تمہارا مذاق شروع ہو گیا تو پھر ہر کام دھرا کا

دھرا رہ جائے گا۔" محمود نے کہا۔

"بہت بہتر، میں اب مذاق نہیں کروں گا۔" اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔

"ہاں فرزانہ، کونسی بات ہے جو تمہارے ذہن میں آئی ہے۔"

"کیوں نہ ہم میں سے ایک مکان کی چھت پر چڑھ کر بیٹھ جائے اور اردگرد نظر رکھے۔ اس طرح ہمیں مجرموں کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ آ گئے ہیں۔ اس طرح ہم ابا جان کو خبر کر دیں گے۔" محمود نے ترکیب بتائی۔

"اس میں شک نہیں کہ ترکیب بہت اچھی ہے لیکن چھت پر سردی میں کون اکڑے۔" فرزانہ نے کہا۔

"جس نے ترکیب بتائی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"بالکل ٹھیک۔" فرزانہ چہکی۔

"تم دونوں تو ہو کام چور — میں ہی چلا جاؤں گا لیکن دس بجے سے پہلے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں، یہ بھی ٹھیک ہے۔ آج کا دن بھی عجیب ہے۔ ہم اطمینان سے بیٹھے مجرموں کا انتظار کر رہے ہیں جیسے ہمارے ہاں ان کی دعوت ہو۔" فاروق نے ہنس کر کہا۔

"دراصل ابا جان انہیں پہچان گئے ہیں۔ اس لیے انہیں کوئی فکر نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔

"نہیں بھی تو سوچنا چاہیے، آخر مجرم کون ہو سکتا ہے۔" فاروق نے میز پر ہاتھ مارا۔

"اس غریب میز نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"غریب تو نہیں، کافی امیر ہے۔" فاروق نے ایسے انداز میں کہا جیسے وہ کسی آدمی کے بارے میں باتیں کر رہے ہوں۔

"سنو یار، جب تمہیں کوئی جملہ نہ سوجھے تو زبردستی مذاق کرنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ مذاق کرنا کوئی فرض تو نہیں ہے۔" محمود جھلا اُٹھا۔

"ہاں واقعی، مذاق کرنا فرض نہیں ہے ـــ کیوں فرزانہ۔" فاروق مسکرایا۔

"بالکل، اس بات سے کسے انکار ہے۔" فرزانہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"میرا خیال ہے، ہم باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ ہمیں حالات کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر لینی چاہیے۔ اپنے اپنے ہتھیاروں کا جائزہ لے لینا چاہیے۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"میری جیب میں میرا پنسل تراش موجود ہے لیکن جیسا کہ ہمیں معلوم ہے وہ لوگ اس سے باخبر ہیں۔"

"اور میرے پاس گڑیا تیار ہے۔ امید ہے اس کا کام ان کی نظروں سے چھپا ہوا ہوگا۔"

"تب پھر میں رہ گیا مجھے بھی اپنی الماری میں سے ٹائی نکال لینی چاہیے۔" محمود اٹھا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔

"لو بھئی شروع ہو گیا پروگرام۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ابھی نہیں، یہ تو انکل اکرام ہوں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا میں جا کر دروازہ کھول دوں؟" محمود نے کہا۔

"بہتر ہوگا ـــ پہلے ابا جان سے پوچھ لیں۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"تو آؤ پھر۔"

تینوں اپنے والد کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ انسپکٹر جمشید بھی کمرے سے نکل کر باہر آ رہے تھے۔

"کیا بات ہے، تم تینوں ادھر کیوں آ گئے ہو۔ تمہیں تو اپنے کمرے میں ہونا چاہیے۔"

"جی .... وہ گھنٹی ـــ" فرزانہ ہکلائی۔

"ہاں، میں نے بھی سُنی ہے گھنٹی ـــ جاؤ اپنے کمرے میں۔ جب تک میں آواز نہ دوں، ڈرائنگ روم میں نہ آنا۔"

"جی بہت اچھا۔" محمود نے کہا اور تینوں انہی قدموں پر واپس لوٹ آئے۔

"لو بھئی، لگ گئی پابندی۔" فاروق نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"چلو کیا فرق پڑتا ہے ـــ ابا جان وقت پر ہمیں بُلا لیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن اس وقت تک ہم الجھن میں تو رہیں گے نا ـــ اس وقت بھی ہم سوچ رہے ہیں کہ نہ جانے کون آیا ہے۔"

"اُلجھنے کی ضرورت نہیں — ظاہر ہے کہ انکل اکرام آتے ہوں گے" محمود بولا:

"اور اس کے بعد مجرموں کے آنے کی باری ہے" فرزانہ مسکرائی۔

"ٹھیک ہے، انگور کھٹے ہیں"

"ارے ہم بھول گئے۔ ہم نے تو چھت پر چڑھ کر بیٹھنے کا پروگرام بنایا تھا" فرزانہ چونکی۔

"لیکن اب ہم اس پروگرام پر بھی عمل نہیں کر سکتے کیونکہ ابا جان نے ہمیں کمرے میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے"

"ہوں"

اور وہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ فوراً ڈرائنگ روم میں پہنچ جائیں۔ آدھ گھنٹہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ گھنٹی ایک بار پھر بجی۔

"آ گئے، مجرم آ گئے" فرزانہ اچھل پڑی۔

"جوش میں آنے کی ضرورت نہیں — ہو سکتا ہے کہ یہ مجرم نہ ہوں" محمود بولا۔

"تو اور کون ہو سکتا ہے" فرزانہ نے تیز لہجے میں کہا۔

"مجرموں کے فرشتے" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"اب میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا ہے" فرزانہ بولی۔

"صبر کا پھل میٹھا بھی تو ہوتا ہے" محمود مسکرایا۔

"لیکن مجھے کھٹے پھل پسند ہیں" فاروق بول اٹھا۔

"دھت تیرے کی — چل پڑی زبان"

"تو کمرے میں اور کیا چلاؤں — ہوائی جہاز چلانے سے تو رہا" فاروق نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ہوائی جہاز پر جا پہنچے — تیر اور تلوار بھی تو چلائے جا سکتے ہیں" فرزانہ چہکی۔

"تم بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئیں" محمود نے جھنجلا کر کہا۔

"ہم تمہیں بھی شرکت کی دعوت دیتے ہیں" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"نا بابا، میں تم سے الگ ہی بھلا" محمود نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اس لیے کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کارنامہ انجام دینے کے چکر میں رہتے ہو" فاروق تڑخ سے بولا۔

"اور جو آدمی ہر وقت کسی چکر میں رہے، اسے چکر آنے لگتے ہیں" فرزانہ ایک دم بولی۔

"تم دونوں تو میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو" محمود نے تنگ آ کر کہا۔

"نہیں تو، ہاتھ تو ہم نے کھانا کھانے کے بعد دھوئے تھے" فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

"لاحول ولا قوۃ ..... آخر شروع ہو ہی گیا مذاق"

"جو تم کہو، وہ شروع کر دیں"

"بس خدا کے لیے صرف اتنا کرو کہ خاموش ہو جاؤ" محمود نے

سر پکڑ کر کہا۔

"بہت اچھا — اب ہم دونوں بالکل نہیں بولیں گے۔" سُن لیا فرزانہ تم نے؟"

"ہاں، بہت اچھی طرح سُن لیا۔"

عین اسی وقت گھنٹی تیسری مرتبہ بجی —

نقشہ پلٹتا ہے

تیسری گھنٹی کی آواز سن کر انسپکٹر جمشید مسکرائے اور بیرونی دروازے کی طرف چل پڑے لیکن دروازہ کھولنے سے پہلے انھوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کے کمرے میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اب تم لوگ ڈرائنگ روم میں پہنچ جاؤ۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے — آخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔"

انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ تینوں نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا۔ انسپکٹر جمشید نے دروازے پر پہنچ کر پوچھا:

"کون ہے؟"

"تار والا۔" باہر سے آواز آئی — انسپکٹر جمشید یہ سُن کر مسکرائے اور دروازہ کھول دیا — دروازے میں دو نقاب پوش کھڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ انسپکٹر جمشید نے انھیں دیکھتے ہی چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

"کون ہو تم؟" انھوں نے ایک دم کہا۔

"اندر چلو — باہر کھڑے ہو کر ہم تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دیں گے۔"

"کیوں، باہر تمہیں سردی لگ رہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے دل ہی دل میں

مسکراتے ہوئے کہا۔

"خاموش — منہ سے کوئی بات نہ نکالو — جو کہا جا رہا ہے، اس پر عمل کرو، ورنہ ہم بہت بری طرح پیش آئیں گے۔" ان میں سے ایک بولا۔

"بہت اچھا جناب۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور انہیں اندر آنے کے لیے راستہ دے دیا۔

"آگے آگے چلو، تم ہمارے پستولوں کی زد پر ہو — جونہی تم نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی، دو گولیاں ایک ساتھ تمہارے جسم میں داخل ہو جائیں گی۔"

"بے فکر رہو، میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نیلے لفافے والے کاغذات کس کمرے میں ہیں؟" ان سے پوچھا گیا۔

"نیلے لفافے والے کاغذات کیا مطلب؟" انہوں نے چونک کر کہا۔

"اگر تم نے سیدھی طرح نہ بتایا تو ہم تمہارا وہ حشر کریں گے کہ محکمہ سراغرسانی کے سارے انسپکٹر لرز اٹھیں گے۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے، آؤ میرے ساتھ —" انسپکٹر جمشید نے ڈر کر کہا۔ وہ انہیں ڈرتا ہوا دیکھ کر خوش ہو گئے اور ان کے پیچھے چلنے لگے۔

ڈرائنگ روم میں صرف محمود، فاروق اور فرزانہ بیٹھے تھے جبکہ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ گھنٹی بج چکی تھی — نقاب پوشوں نے ان بچوں کو حیران ہو کر دیکھا اور ان میں سے ایک بولا:

"ہم نے کاغذات کی بات کی تھی — یہ نہیں کہا تھا کہ ہمیں اپنے بچوں کے پاس لے چلو۔"

"جناب کاغذات بھی یہیں ہیں۔"

"بہت خوب، تو پھر نکالو کاغذات۔" ایک بولا۔

"آخر یہ کاغذات ہیں کیا بلا؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ وہ بلا ہے جو تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔"

"جب تک تم بتاؤ گے نہیں، میں وہ تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے ضد پر اڑتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں ابھی تک ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوا؟"

"محکمہ خارجہ کے درانی صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ یہ کسی غیر ملکی جاسوس کی رپورٹ ہے جو وہ اپنے ملک بھیج رہا تھا لیکن اس کا آدمی سرحد پار کرتے ہوئے پکڑا گیا۔"

"بس یہی بات ہے —"

"یہ تو میں پہلے ہی جانتا ہوں۔ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان کاغذات میں کیا لکھا ہوا ہے؟"

"یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا۔"

"تو پھر کاغذات بھی میں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔" انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

"کیا کہا — دو دو پستول تمہارے اوپر تنے ہوئے ہیں اور تم کاغذات دینے سے انکار کر رہے ہو؟"

"ہاں، نہیں دوں گا — مرنے کے لیے تو میں ہر وقت تیار رہتا ہوں، چلاؤ گولی۔" انہوں نے کہا۔

انھوں نے سچ مچ انسپکٹر جمشید پر ایک ساتھ دو فائر کر دیے۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے ہوا میں اچھلے اور جب واپس فرش پر آ کر کھڑے ہوئے تو وہ مسکرا رہے تھے اور دونوں نقاب پوش آنکھیں پھاڑے انھیں دیکھ رہے تھے۔ اس موقع سے محمود نے فائدہ اٹھایا۔ اس نے اپنی ٹافی جیب سے نکالی، اس کا کاغذ اتارا اور دونوں نقاب پوشوں پر اچھال دی۔ وہ بے خبر تھے اور صرف انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ٹافی زوردار آواز کے ساتھ ان کے پیروں کے پاس پھٹی۔ وہ زور سے چلائے اور دوسرے ہی لمحے دونوں زمین پر پڑے تھے۔ ان کے ہاتھوں اور پیروں میں سے جان نکل گئی تھی۔ پستول اچھل کر دور جا گرے تھے۔ وہ انھیں اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ اس دنیا کے آدمی نہ ہوں۔ اسی وقت انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اب آپ لوگ ڈرائنگ روم میں تشریف لے آئیں۔"

فوراً ہی ڈرائنگ روم کے ساتھ والا دروازہ کھلا اور اس میں سے وزیر خارجہ، دو تین اور آفیسر، دو فوٹو گرافر اور سب انسپکٹر اکرام نکل کر اندر آ گئے۔

"ان کی نہ صرف آواز ٹیپ کی جا چکی ہے بلکہ پستول چلاتے ہوئے تصویریں بھی لی جا چکی ہیں — اب ہمیں فوراً یہ بتا دیں کہ یہ کون ہیں اور کاغذات سے ان کا کیا تعلق ہے۔" وزیر خارجہ نے بے تاب ہو کر کہا۔

"ابھی سب کچھ آپ کے سامنے رکھے دیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے پھر دونوں نقاب پوشوں کی طرف بڑھے لیکن پھر اپنی جگہ پر ساکت اور جامد رہ گئے۔

فوراً ہی کمرے میں ایک بھیانک قہقہہ گونجا اور یہ قہقہہ دونوں نقاب پوشوں کے حلق سے نکلا تھا۔ وہ اگرچہ زمین پر پڑے تھے لیکن ہوش میں تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں اس وقت بھی دو پستول تھے جب کہ گرتے وقت ان کے ہاتھوں میں سے پستول نکل چکے تھے۔

انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ کا مارے حیرت کے بُرا حال تھا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ٹافی کا وار خالی جائے گا۔ وہ تو دراصل جھوٹ موٹ بے ہوش ہوئے تھے۔

"اور اب تم سب ایک بار پھر ہاتھ اوپر اٹھا دو — کیونکہ میدان اب پھر ہمارے ہاتھ میں ہے۔" ان میں سے ایک نقاب پوش نے ہنس کر کہا۔ ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

چوہے دان

"ابا جان' یہ کیا ہوا ؟" آخر محمود کے منہ سے نکلا۔

"کوئی بات نہیں بیٹا' ایسا بھی ہوتا ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ کیس میں دراصل ذہنی جنگ لڑی گئی ہے۔ ان لوگوں کو ہمارے بارے میں سب کچھ معلوم تھا۔ انہوں نے پہلے ہی پورا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ اس وقت بھی یہ دو پستولوں کی بجائے چار پستول لے کر آئے تھے۔ دو ان کی جیبوں میں تھے اور دو ہاتھوں میں — تمہاری ٹافی جب دھماکے سے پھٹی تو انہوں نے جان بوجھ کر پستول ہاتھوں سے اچھال دیے اور اس طرح گرے جیسے بے ہوش ہو گئے ہوں۔" انہوں نے غمگین انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن ٹافی نے انہیں بے ہوش کیوں نہیں کیا ؟"

"بھئی' ہمارے ملک میں ایک پروفیسر داؤد ہی تو سائنس دان نہیں ہیں۔ کچھ اور لوگ بھی سائنس دان ہیں۔ اگر پروفیسر داؤد اس قسم کے کھلونے بنا سکتے ہیں تو دوسرے ان کا توڑ بھی کر سکتے ہیں۔ دراصل یہ سارا کھیل گیسوں کا ہے۔ یہ پہلے ہی تمہارے کھلونوں کا انتظام کر کے آئے تھے۔"

"اب کیا ہو گا ؟" فرزانہ نے اداس ہو کر پوچھا۔

"وہی ہو گا جو خدا کو منظور ہو گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بالکل ٹھیک ہے' اس کی مرضی کے بغیر تو ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا — ہماری یا ان مجرموں کی کیا مجال ہے۔" فاروق نے سر ہلایا۔

"لیکن یہ ہیں کون ؟" محمود نے پوچھا۔

"ارے تم ابھی تک اندازہ نہیں لگا سکے۔ میرا تو خیال تھا' تم سمجھ گئے ہو گے۔" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"نہیں افسوس ہے ابا جان' یہ کیس ہمارے بالکل پلے نہیں پڑا — ہم بالکل نہیں سمجھ سکے۔" محمود نے کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں — ان کے جانے کے بعد بتاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو کیا یہ یہاں سے بچ کر چلے جائیں گے ؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا کہوں بیٹا' زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے اتنی بڑی شکست کھائی ہے۔"

"اوہ —" ان کے منہ سے نکلا۔

"بہت باتیں کر چکے تم لوگ — اب وہ لفافہ ہمارے حوالے کر دو' ورنہ ہم تم پر گولیوں کی بارش کر دیں گے۔"

"کیا اس لفافے کے بغیر کام نہیں چل سکتا ؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"بکواس مت — ایک منٹ سے پہلے پہلے لفافہ ہمارے حوالے کر دو۔ اس کے بعد ہم کوئی بات نہیں سنیں گے۔" ایک نے گرج کر کہا۔

"کیوں جناب عالی' کیا خیال ہے۔ کیا کاغذات ان کے حوالے کر دیے جائیں ؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں ـــ ان کاغذات میں ضرور ہمارے ملک کے اہم راز ہیں۔ ہم وہ دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتے ـــ چاہے ہم سب کی جان کیوں نہ چلی جائے۔" وزیرِ خارجہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"لیکن جناب ہم پر دو پستول تنے ہوئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تو کیا ہوا۔ موت تو ایک دن آئے گی ہی، پھر موت سے کیا ڈرنا۔ ہم اپنے وطن کے لیے جان تو دے سکتے ہیں لیکن وطن کے راز دشمن ملک کے جاسوسوں کے حوالے نہیں کر سکتے۔" وزیرِ خارجہ بولے۔

"لیکن جناب، مجھے اپنی اور اپنے بچوں کی زندگی بہت پیاری ہے۔ معاف کیجیے گا، میں اس مرحلے پر کاغذات ان کے حوالے کیے بغیر نہیں رہ سکتا ـــ جان بچانا فرض ہے۔"

"انسپکٹر جمشید، یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" وزیرِ خارجہ کے منہ سے نکلا ـــ حیرت کے مارے ان کی آنکھیں باہر کو ابل آئی تھیں۔

"ابا جان، آپ کو کیا ہو گیا ہے۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"میں بالکل ہوش میں ہوں ـــ کیا میں تمہیں مرتے اپنی آنکھوں سے دیکھوں ـــ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"ابا جان، خدا کے لیے ہماری فکر نہ کریں۔ ہماری جانوں کی ملک اور قوم کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے۔" فاروق نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

"تم کیا جانو، اولاد کیا چیز ہوتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابا جان، کچھ تو سوچیں۔ وزیرِ خارجہ صاحب کیا خیال کریں گے۔"

"مجھے کوئی پروا نہیں ـــ میں لفافہ ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے شانے اچکائے۔

"تب تم خود کو اپنی ملازمت سے الگ سمجھنا۔ تم پر مقدمہ چلے گا اور ملک کے راز دشمنوں کے حوالے کرنے کے الزام میں سزا دی جائے گی۔"

"معاف کیجیے گا جناب، میں یہ سب کچھ اپنی اور آپ کی جان بچانے کے لیے کر رہا ہوں۔"

"ہمیں نہیں چاہیے ایسی زندگی ـــ کیا تم نے اپنے بچوں کی باتیں نہیں سنیں۔"

"سن لی ہیں ـــ یہ لو بھئی چابی ـــ نیلا لفافہ اس میز کی دراز میں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے چابی ان کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

ان میں سے ایک نقاب پوش نے چابی دبوچ لی اور میز کی طرف بڑھا ـــ اس نے تالے کے سوراخ میں چابی لگائی اور پھر دراز باہر کھینچی ـــ پھر جونہی اس نے دراز میں ہاتھ ڈالا، اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ یہ چیخ اس قدر لمبی تھی کہ وہ سب لرز کر رہ گئے۔ نقاب پوش کا ساتھی بھی بوکھلا گیا اور اس کی طرف لپکا ـــ لیکن اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید موقع سے فائدہ اٹھا چکے تھے ـــ انہوں نے اس پر چھلانگ لگائی تھی اور اسے ساتھ لیتے ہوئے فرش پر گر پڑے تھے۔ دھینگا مشتی میں پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور پہلے نقاب پوش کا پستول تو اسی وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا جب اس کے منہ سے وہ چیخ نکلی تھی۔

جب اس کا ہاتھ دروازے سے باہر نکلا تو سب نے دیکھا، اس کے ہاتھ سے ایک چوہے دان لٹکا ہوا تھا اور اس سے خون ٹپ ٹپ فرش پر گر رہا تھا — دراصل انسپکٹر جمشید نے یہ خاص چوہے دان اس قسم کے مجرموں کے لیے بنوا رکھا تھا۔

کمرے میں موجود سب لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے انسپکٹر جمشید کو دیکھ رہے تھے جو ابھی تک دوسرے نقاب پوش سے الجھے ہوئے تھے۔ آخر انہوں نے اسے بے بس کر دیا۔ اتنی دیر میں اکرام پستول اٹھا کر ان کی طرف تان چکا تھا۔

"بھئی جمشید تم نے کمال کر دیا — مجھے معاف کر دو۔ میں تمہاری شان میں کچھ غلط باتیں کہہ گیا ہوں۔" وزیر خارجہ بولے۔

"کوئی بات نہیں جناب، اگر آپ اس قسم کے الفاظ نہ کہتے تو یہ دونوں یہی سمجھتے کہ میں ایک بار پھر ان سے چال چل رہا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر انہیں یقین دلایا تھا کہ میں اپنی اور اپنے بچوں کی جانیں بچانے کے لیے لفافہ ان کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو گیا ہوں — دراصل یہ بہت چالاک ہیں۔ پہلے ہی پورا پورا بندوبست کر کے آئے تھے۔ میں نے بھی ان کا ہر طرح سے انتظام کیا تھا — یہ میرا آخری وار تھا۔ امید ہے کہ اب ان کے پاس کوئی چال چلنے کے لیے نہیں رہ گئی ہو گی۔"

"بہت خوب، تم نے کمال کر دیا بھئی۔ میں تو مان گیا تمہیں۔"

"شکریہ جناب۔"

"لیکن آخر یہ دونوں ہیں کون؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں ابھی آپ کو ان کے چہرے دکھاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے اور ان دونوں سے بولے:

"کیوں دوستو، اب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا اگر میں تمہارے نقاب الٹ دوں۔ ویسے تم نے مجھے تنگ بہت کیا ہے — میرے ساتھ میرے بچوں کو بھی الجھا لیا — ادھر میرے پاس پہنچے ادھر پارک میں بچوں سے ملے۔ منصوبہ تو تم نے خوب بنایا تھا — اب یہ اور بات ہے کہ وہ ناکام ہو گیا — خیر کوئی بات نہیں، ایسا بھی ہوتا ہے۔"

یہ کہتے کہتے انسپکٹر جمشید ان کے نزدیک پہنچ گئے اور ان کے نقاب نوچ لیے۔ وزیر خارجہ اور دوسرے آفیسروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں — اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے — ان کے منہ سے 'اُف — ارے' کی آواز نکل سکی — ان کے سامنے درانی صاحب اور رؤف خان پڑے تھے۔

"آخر یہ قصہ کیا ہے؟" وزیر خارجہ نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"نیلے لفافے کے بارے میں تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ کسی غیر ملکی جاسوس نے رپورٹ تیار کر کے غیر ملک کو بھیجی تھی — وہ غیر ملکی جاسوس دراصل درانی صاحب ہی ہیں۔"

درانی کا نام سن کر محمود، فاروق اور فرزانہ بھی دھک سے رہ گئے۔

"کیا کہا؟" وزیر خارجہ چلائے۔

"جی ہاں — اور رؤف خان بھی غیر ملکی جاسوس ہے۔ جو آدمی لفافہ

لے کر جا رہا تھا' ان کا تیسرا ساتھی تھا اور اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے محکمے میں کوئی چوتھا غیر ملکی جاسوس نہیں ہے — جب لفافہ پکڑا گیا اور واپس درانی صاحب کے حوالے کر دیا گیا تو اسے فکر ہوئی کیونکہ تحریر کا ماہر پڑھ کر بتا سکتا تھا کہ کاغذات میں کیا لکھا ہے ! البتہ اس میں لکھنے والے کا نام نہیں ہو سکتا — اگر ہوگا بھی تو وہ نام دوسرا ہوگا جس کے بارے میں ان کے ملکوں کو معلوم ہوگا۔ یہ دونوں تیسرے ساتھی کی خودکشی پر خوش ہوئے لیکن انہیں مشکل یہ پیش آئی کہ لفافہ خود درانی کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے سوچا اگر لفافہ ہم نے غائب کر دیا تو ہمارے خلاف تحقیقات شروع ہو جائے گی — اس لیے کیوں نہ کسی کے ذریعے چوری کرا لیا جائے۔ یہ ترکیب انہیں مناسب معلوم ہوئی' لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے خود کو شک سے بری کرنے کے متعلق بھی سوچا — پھر اچانک ہی انہیں یاد آ گیا — انہوں نے سوچا' اس واقعے کا ضرور چرچا ہوگا اور میں ان کی چالاکی بھانپ نہ لوں — پھر ان کے دماغ میں یہ سکیم آئی کہ کیوں نہ چوری میرے بچوں کے ذریعے کرائی جائے اور اس سے پہلے رؤف خان آ کر مجھے یہ بتائے کہ کوئی اس کے گھر میں رات کے وقت داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ترکیب انہیں بہت زوردار لگی اور انہوں نے اس پر عمل کر ڈالا — پھر اس ڈرامے میں اور زور پیدا کرنے کے لیے رؤف خان اپنے گھر سے خود ہی غائب ہو گیا تاکہ یہ خیال کیا جائے کہ کوئی اسے کاغذات کے سلسلے میں اٹھا کر لے گیا ہے — جب یہ معاملہ دب جاتا تو رؤف خان واپس آ جاتا اور درانی کو رپورٹ پیش کر دیتا کہ کوئی اسے اٹھا کر لے گیا تھا اور کسی نامعلوم جگہ بند کر دیا گیا تھا — درانی فوراً اسے ملازمت پر بحال کر دیتا — یہ تھی کل کہانی۔"

"لیکن ابا جان' اب یہ کیسے معلوم ہو کہ ان کاغذات میں کیا لکھ کر بھیجا گیا ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"یہ بات ہم درانی صاحب سے اگلوا سکتے ہیں — تحریروں کا جو ماہر آنے والا ہے' وہ بھی پڑھ کر بتا سکے گا — لیکن میں اندازے سے بتا سکتا ہوں کہ دراصل ان کاغذات میں کیا ہے۔"

"کیا کہا ؟ آپ بتا سکتے ہیں۔" وزیر خارجہ نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں' لیکن یہ صرف اندازہ ہوگا جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔"

"پھر بھی آپ بتائیے تو۔" وزیر خارجہ نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے' اس رپورٹ میں ہمارے ان جاسوسوں کی تفصیل لکھی گئی ہے جو ہمارے لیے اس غیر ملک میں کام کر رہے ہیں اور جن کی وجہ سے انہیں کئی بار بہت نقصان پہنچ چکا ہے — ان کے بارے میں تفصیل اگر دشمن ملک کو مل جاتی تو ان کو گرفتار کرنا آسان ہو جاتا۔"

"اوہ۔" وہ بھونچکے رہ گئے۔ آنکھیں خوف اور حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کچھ دیر تک کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔

"اف میرے خدا۔" آخر وزیر خارجہ کے منہ سے نکلا۔

"ہم بھی حیران تھے کہ آخر یہ چکر کیا ہے —" محمود نے سکون کا

سانس لے کر کہا۔

"بلکہ پریشان بھی تھے۔" فاروق بولا اور سب مسکرا دیے۔

"اور اب ہم نہ حیران ہیں نہ پریشان۔" فرزانہ بولی۔

"میرا خیال ہے، اس جملے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"بس بس — اگر تم تینوں کی نوک جھونک شروع ہو گئی تو رات یونہی بے کار چلی جائے گی جب کہ ابھی ہمیں اور بھی کام کرنے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا کر بولے۔

"ابا جان، ایک بات تو رہ ہی گئی۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"وہ کیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"وہ بوڑھا ان میں سے کون تھا؟"

"رؤف خان — اور پستول والا نوجوان یہ تھا۔" انہوں نے درانی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ۔"

اور چند دنوں کے بعد تحریروں کے ماہر کی رپورٹ نے یہ بات ثابت کر دی کہ انسپکٹر جمشید کا خیال بالکل ٹھیک تھا۔

محمود نے فون کرنے کے لیے ریسیور کان سے لگایا ہی تھا کہ ایک

آواز سنائی دی:

"جی ہاں، عمارت میں بم رکھ دیا گیا ہے، وہ ٹھیک نو بجے پھٹے گا۔"

"بس ٹھیک ہے — مہمان وزیر اعظم کو اسی وقت کھانا پیش کیا جائے گا۔"

"آپ بے فکر رہیں — جونہی وزیر اعظم پہلا لقمہ منہ میں رکھیں گے، عمارت اڑ جائے گی — نہ عمارت کا نام و نشان رہے گا اور نہ عمارت میں موجود لوگوں کا۔"

"گڈ، میں یہی چاہتا ہوں۔ اب یہ بھی معلوم کرو کہ نگرانی کا کام کسے سونپا گیا ہے تاکہ اسے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی غائب کر دیا جائے۔" دوسری آواز نے کہا۔

"اس سلسلے میں انسپکٹر جمشید کا نام لیا جا رہا ہے، بس یہی ایک بات فکر میں ڈالنے والی ہے۔" پہلی آواز نے کہا۔

"اس میں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ تم اپنا کام کرو — اس کا انتظام میں خود کر لوں گا۔"

"بہت بہتر۔"

آوازوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔ محمود کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ کر نیچے لٹکنے لگا۔

ناول آپ نے پڑھا۔

اب اشتیاق احمد آپ کا امتحان لیتے ہیں۔ ان کا اس ناول کے بارے میں آپ سے ایک سوال ہے:

انعامی سوال ۹

س: انسپکٹر جمشید نے مجرموں کو کب پہچانا؟

اس سوال کا جواب ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم اشتیاق احمد سے آپ کے جواب کی تصدیق کروا کر ان ہی کے دستخطوں سے آپ کو صحیح جواب بھجوا دیں گے۔ آپ کی ذہنی آزمائش میں اشتیاق احمد بھی شامل ہوں گے۔

دیکھنا یہ ہے کہ آپ نے ناول کس قدر غور سے پڑھا اور کس حد تک دلچسپی لی۔ ناول غور سے پڑھیے اور اشتیاق احمد کے سوال کا جواب دینا نہ بھولیے۔ ان کے ہاتھ کا جواب ہی آپ کا انعام ہوگا۔

(ادارہ)

انسپکٹر جمشید سیریز ۱۰

عمارت میں بم

- وہ فون کس کا تھا؟
- فون سننے والا کون تھا؟
- عمارت میں بم رکھنے کا کیا مقصد تھا؟
- کیا عمارت اڑا دی گئی اور اس میں موجود لوگ لقمۂ اجل بن گئے؟
- محمود اور فاروق میدان عمل میں۔
- ٹھیک آٹھ بجے ان کے دوست ملک کا وزیراعظم اس عمارت میں موجود تھا اور عمارت میں کسی جگہ بم بھی موجود تھا۔
- بم کو نو بجے پھٹنا تھا۔
- انسپکٹر جمشید آٹھ بجے سے بھی پہلے وہاں پہنچنے کے لیے گھر سے روانہ ہوتے ہیں۔ وزیراعظم کی حفاظت کی ذمے داری انہیں سونپی جاتی ہے۔
- راستے میں ان پر کیا بیتی؟
- مجرم جب آپ کے سامنے آئے گا تو آپ اچھل پڑیں گے۔

"عمارت میں بم"

اپنی طرز کا واحد ناول ہوگا۔